چھپکر تیار ہے

# صبح زندگی

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصہ سے انتظار تھا اور جس کی عمدہ تشہیر
دفتر مخزن میں بھیجنے سے بہت پیشتر ہی موصول ہو چکی ہیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ
خوش قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے۔ قسم اول کے کاغذ کی چونکہ مانگ زیادہ ہے۔ اس لئے
قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو سو چھتیس ۲۳۶ صفحہ کی ہے۔ اور اس میں ایک
لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک کی وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق
ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرح کواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں
جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب
کی وقعت۔ خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار۔ اطوار۔ عادات کے متعلق طرز بیان نہایت موثر
ہے۔ خانہ داری کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے کاڑھنے
کی بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں۔ سینے اور کاڑھنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دئے
گئے ہیں۔ عورتوں کی زندگی پر استانی کا دخل اس کتاب کا موضوع ہے۔ اور اخیر
پھوپھی کا بھتیجی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دینے سے تعلق رکھتی ہیں۔ زبان
بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہل زبان یعنی منا رما
مشہور مصنف مولوی محمد عبدالرشید الخیری کی تازہ ترین تصنیف ہے۔
یہ کہنا بجا ہے کہ اس سے بہتر اتالیقی کتاب زنانہ لٹریچر میں موجود نہیں۔ قیمت قسم اول عہ قسم
دوم عہ علاوہ محصول ڈاک۔

خواہشمند نام منیجر مخزن لاہور

مخزن لاہور کی چاہئیں

PRINTED BOOKS
No. 7126
No.

مخزن

# نظامِ شمسی[1]

تنقید

برجہا دیدم کہ از مشرق برآمد مہر سر
جملہ تسبیح و در تہلیل حی لا یموت

چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو و حوت

کہنے کو تو نظامِ شمسی دو حرفی بات ہے مگر غور کیجئے تو ہزار ہا حیرت آفرینیوں کا مصالحہ۔ لکھو کھا قسم کے عجائبات۔ کروڑہا کروڑ میلوں کی مسافت ارب ہا ارب ٹنوں اور منوں کے بوجھ اس مختصر سے جملہ میں موجود ہیں۔ قلم اپنا اُنبالہ دار پر لئے بارہ برجوں اور سبع نہیں تسع سیارگاں کی سیر کو نکلا ہے۔ مگر کیا کرے؟ وقت کہ دونوں ہاتھوں انسان کی زندگی اور اس کے کارناموں کو شپاشپ لپیٹنے میں مصروف ہے۔ فرصت نہیں دیتا کہ بہت کچھ کہا جائے۔ مضمون کی وسعت۔ ادھر وقت کی قلت۔ شوق تکلم و تحریر بے پایان۔ اُدھر سمع خراشی و نگاہ آزاری احباب کا ڈر۔ دقتِ مناظر۔ اُدھر آلاتِ رصد کی ناموجودگی کروں تو کیا کروں۔ قلم رُک رُک کے چلتا ہے۔ ہاں سیر سماوی کوئی آسان کام نہیں

[1] یہ مضمون بزم اُردو لاہور کے ایک قریب ترین جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔

اب حیرت میں ہوں کہ قدما کے علمِ نجوم اور تصوّرات و تصدیقات متعلقہ اجرامِ سماوی کا نقشہ کھینچوں۔ یا فلاسفہ یونان اور مسئلہ الواحد لایصدر عنہ الا الواحد کا ذکر چھیڑوں کہ کیونکر علۃ العلل کے ہاتھوں عقلِ اوّل مولود ہوا۔ پھر عقلِ اوّل نے فلکِ اوّل اور عقلِ ثانی کو پیدا کیا۔ عقلِ ثانی نے آسمانِ ثانی اور عقلِ ثالث کو پیدا کیا۔ علیٰ ہذا عقولِ عشرہ اور سبع نہیں تسع سماوات کا بیان کروں جو ان کے خیال میں شفاف مادّی کرّے ہیں۔ جن میں نجومِ لامعہ کے جواہر جڑے ہیں۔ اور آپ کے سامنے بلا خرق و التیام کھڑے ہیں۔ نہیں بلکہ چکر لگا رہے ہیں اور اپنی تاثیرات سے اہلِ زمین نہ فقط ابنِ آدم بلکہ جملہ حیوانات و نباتات و جمادات تک کو متاثر کر رہے ہیں۔ یا بسائط و مرکّبات اور مقولاتِ عشر کی گرہ کھولوں اور بتاؤں کہ ہیولیٰ کیا ہے۔ اجرامِ علوی و سفلی کے قوام میں اس کا کیا دخل ہے؟ یا یہ بیان کروں کہ کیونکر قدمائے ہند نے انسان کے نام اور سماوی اجرام میں پیوند لگایا۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کنیا۔ تلا۔ برچھیک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ مین۔ بارہ راشیوں کا بیان کروں یا کشتر۔ اسونی۔ بھرنی۔ کرتکا۔ روہنی۔ مرگسرا۔ اردرا۔ پونربس۔ پوکھ۔ اشیکھا۔ مگھا۔ پوربا۔ اوترا۔ ہست۔ چترا۔ سواتی۔ بیساکھا۔ انورادھا۔ جیشٹھا۔ مول۔ پوربا کھاد۔ اترا کھاد۔ سرون۔ دھنشٹا۔ ست بگھا۔ پوربا۔ بھدرا۔ اوترا بھدرا۔ اور یوتی کا حال سناؤں یا حال کی اسٹرانومی کی طرف توجہ کروں کہ حکمائے یورپ اور ہندسہ دانان گرینچ۔ ڈنسک۔ وٹینا وغیرہ بڑی بڑی

رصدگاہوں میں کیا کیا باتیں نکال رہے ہیں۔ آسمان ہوا ہو کر اُڑ گئے۔ زمین چپٹی سے گول ہو گئی۔ آلاتِ رصد نے آسمانی دنیا میں عجیب و غریب انکشاف کئے اور کن کن پُرانے دقیانوسی خیالات کا قلع قمع ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مجبوراً چونکہ اِس ۱۵۔ ۲۰ منٹ کے لئے کچھ نہ کچھ آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا ہے۔ لہٰذا صرف چند ایسی باتیں جو موجودہ تحقیق سے ثابت ہو چکی ہیں اور جن پر ایک زمانہ ایمان لا چکا ہے۔ عام فہم طریقہ پر پیش کرونگا تاکہ اُردو دان پبلک کچھ نہ کچھ سمجھ سکے۔ لیکن جس قدر اب بیان ہوگا وہ تمہید سے بڑھکر قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ اسی مضمون پر بندہ بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ آج صرف نظامِ شمسی کے مدار آفتابِ شرربار کے متعلق دو تین باتیں عرض کرنے پر اکتفا کرونگا۔ اگر آپ نے اسے پسند فرمایا تو آئندہ اسی طریق پر قمر عطارد زہرہ مریخ مشتری زحل یورینس اور نیپٹوں کے متعلق بھی گذارش سے دریغ نہ ہوگا۔ افسوس ہے اگر میجک لنٹرن (جادو کی لالٹین) کا انتظام ہو سکتا تو نقشہ جات وغیرہ دکھا کر وہ باتیں بھی عرض کر سکتا جن سے اب قاصر ہوں۔

# آفتابِ عالمتاب

سبحان اللہ کیا روشن نام ہے۔ سحر ہوئی اور کاسۂ زرّین کی طرح خُمِ فلک سے نکل اور آتشیں طلائی شعاعوں کا ہاتھ بڑھا کر جہان کو اپنے سیّال زر سے مالامال کرنے لگا۔ زرّہ نوازی اسے کہتے ہیں۔ جدھر دیکھو اس فیّاض کا ہاتھ ہر در و دیوار شجر و حجر دشت و جبل کو طلائی جامہ پہنا رہا ہے۔ نہر زرافشاں چُنی گئی۔ جس پر حباب کے رنگا رنگ موتی اپنی گوہر کاریاں دکھا رہے ہیں۔ بڈھے آسمان نے بھی جو صبح کے بادلوں کا دوشالا کندھے پر لئے ہے اس نو وارد کی حاجت سے حریر و پرنیان کے لباس پہن لئے۔ آفتاب کا مُسافر نہ فقط سونے کا اُمڈتا ہوا دریا اپنی گرہ میں لایا ہے۔ بلکہ آبِ حیات کا سرچشمہ اسی کے انگشتِ شعاع سے رواں ہوتا ہے۔

آفتاب کی قدر ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے جسم کا بال بال اس کے احسان سے بندھا ہوا ہے۔ وہ کونسا وقت ہے جب ہم اس سرچشمۂ حیات سے فیضیاب نہیں ہوتے؟ آپ میرے اس فقرہ کو مبالغہ پر محمول نہ کریں۔ اس کا حرف حرف قانونِ قدرت کی کتاب میں درج ہے۔ انسان کا دارومدار کارپردازانِ قضا و قدر نے سورج پر ہی رکھا ہے۔ آپ پوچھینگے۔ خیر مان لیا کہ دن کو ہم حرارتِ آفتاب اور اس کی ضو سے کام لیتے ہیں۔ مگر سورج فقط دن کا بادشاہ ہے۔ رات کو ہمیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ اس کا جواب اوّل تو یہ کہ

رات کی چاندنی اسی آفتاب کی وجہ سے ہے۔ سورج کی روشنی گو وہ افق سے بہت نیچے ہوتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ قمر پر پڑتی ہے اور اس کا انعکاس پھر زمین پر آتا ہے۔ اور یہی چاندنی ہے۔ مگر اس کو بھی جانے دیجئے۔ فرض کر لیجئے۔ موسم سرما کی لمبی ٹھنڈی راتیں ہیں۔ شب شب دیجور ہے۔ آسمان پر بادل گھرے ہیں اور آپ دوشالا اوڑھے۔ کواڑ بند کئے انگیٹھی کے سامنے بال بچوں سمیت سردی کا بھوت اتارنے کی فکر میں ہیں۔ دسترخوان پر گرم گرم چائے اور نان خطائی دھری ہے اور آپ بچوں کی پیاری پیاری بھولی بھولی باتیں سن سن کر جی کو خوش کر رہے ہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ بتلائیے اب حضرت آفتاب علیہ الرحمۃ کہاں ہیں اور اس وقت اس بند کمرے اور اس شب تار میں ہمیں ان کی ذات باصفات سے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ہاں یاد رہے اب بھی گو شب تار اور موسم سرما ہے مگر آپ ان کے احاطہ کرم سے باہر نہیں نکلے۔ لیجئے ہم ثابت کئے دیتے ہیں۔

ذرا آگ کو روشن کیجئے اور ملاحظہ فرمائیے کیا گرم گرم دلخوش کن لو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لو کوئلوں سے آئی اور یہ پتھر کے کوئلے کان سے نکل کر آئے ہیں۔ جہاں سینکڑوں فیٹ زمین کے نیچے بہادر کان کنوں نے جنگاوں شب تیرہ و تار سے کم نہیں۔ ان کو کھود کر ڈھیر کیا اور سٹیم انجن کی محنت نے سطح زمین پر ابھارا اور ریل گاڑیوں نے کشاں کشاں آپ کے مکان تک پہنچایا۔ آپ پوچھیں گے کہ کوئلوں کو آفتاب سے کیا تعلق؟ سنئے حضرت! آنکھوں پر خوردبین لگائیے اور ان کوئلوں کو ملاحظہ کیجئے معلوم ہوگا کہ ان کی بناوٹ پتھر کی سی نہیں بلکہ یہ کوئلے بھی درختوں اور پودوں سے بنے ہیں۔ ان کے رگ و ریشے صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی نرم نرم تازہ پھل

کی پنکھڑی کسی ننھی ننھی آغازِ بہار کی کونپل کسی سایہ دار درخت کے پتوں۔ نسیمِ بہار سے جھومنے والی شاخوں دیودار اور پیپل کے سے درختوں کی پوشاک یعنی چھال کی یادگاریں ہیں۔ جو کئی ہزار برس پہلے زمانۂ ماضی میں کسی آبادی یا جنگل میں جانداروں کے لئے فردوسِ نظر تھے۔ میری طرف حیرت سے نہ دیکھئے بلکہ سُنئے کہ عُلمائے طبقات الارض یوں رقمطراز ہیں:۔

یہی جگہ جہاں کوئلوں کی کان موجود ہے یہاں کسی زمانے میں ایک وسیع جنگل آباد تھا۔ تمازت پناہی حضرت آفتاب اس کے پتوں کی حرارت سے تواضع کیا کرتے تھے۔ حشرات الارض و دیگر جانور اسی جنگل کی غربا نوازی سے مستفید ہوا کرتے تھے۔

اپنے وقت پر یہ بھی گر گئے اور دُوسرے درخت ان کی جگہ پیدا ہو گئے۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی طرح کئی قرن گذر گئے اور پتوں پھولوں اور پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پاس ہی سمندر تھا اور تب ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔

آپ کو یاد رہے کہ زمین ساری کی ساری ایسی ہی ٹھوس نہیں جیسی ہمیں معلوم دیتی ہے بلکہ عُلمائے طبقات الارض (جیالوجی) نے ثابت کیا ہے کہ نیچے سیّال مادّے کے طبقات ہیں۔ جن پر یہ ہماری خشک زمین اور سمندر بعینہٖ ایسے ہیں جیسے اُبلتے ہوئے دُودھ پر بالائی اسی اندرونی سیّال مادے کی وجہ سے یہ بھونچال آیا کرتے ہیں۔ کوہِ آتش فشاں پھٹا کرتے ہیں۔ زمین کہیں نیچے ہو جاتی ہے کہیں اوپر۔ اور زمانے کے ہر حصّہ میں یہ انقلاب جاری رہتا ہے۔ غرض اسی انقلاب کی وجہ سے وُہی زمین جس پر جنگل آباد تھا آہستہ آہستہ نیچے ہوتی گئی اور سمندر اُس پر آتا گیا تا آنکہ

تمام جنگل پر پانی پھر گیا اور یہ گلی سڑی نباتات سمندر کی تہ میں جا لگی۔ اب دوسرا دور شروع ہوا۔

سمندر میں دریا اور ندی نالے گر گر اپنے ساتھ کیچڑ لانے لگے اور یہ کیچڑ سمندر کی تہ پر جہاں یہ نباتاتی ذخائر پڑے تھے تہ در تہ جمتا گیا۔ صدیاں گذر گئیں اور یہ تہیں سخت ہو گئیں اور چٹان بن گئیں جن کے بوجھ سے نیچے کے نباتی ذخائر دب کر سخت ہو گئے اور ان کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ اب تیسرا دور شروع ہوا۔

خدا کی قدرت ہے۔ ہر زوالے را کمال سمندر کی تہ کو آہستہ آہستہ نیچے جاتے سینکڑوں سال گذر گئے پرانے جنگل پر اب چٹان بن چکے ہیں اور ان پر سمندر کی لہریں موجیں مار رہی ہیں لیکن اب صعود کا زمانہ شروع ہوا۔ تا آنکہ اوپر کا حصہ پھر سطحِ آب سے باہر نکل آیا۔ اب وہی پرانے جنگلات کے ذخائر گزوں نیچے ہیں۔ ان پر چٹان اور ان پر اور ہی سرزمین ہے جس پر اب نئے پھل پھول نکلے ہیں۔ آدمی بھی اس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر وہیں آباد ہو گیا اور اس کے قدموں کے نیچے وہی ہزاروں سال کی نباتی باقیات کوئلوں کی صورت میں مدفون ہیں جنکو وہ اپنی جانفشانی سے کھودتا اور استعمال کرتا ہے۔

یہ جنگل جسکو ہزاروں برس کی گردشِ روزگار نے کیا سے کیا بنا دیا جس وقت شروع شروع میں سرسبزی اور شادابی کی لہریں لیتا تھا۔ اس وقت تمازت و حدتِ آفتاب ہی سے اس کے رگ و ریشے میں خون دوڑتا تھا۔ اور گرمی اور روشنی اس کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر گئی تھی۔ یہی گرمی اور روشنی اس امینِ قدرت نے حضرتِ انسان کے لئے اپنے اندر جمع رکھی ہے اور

صدہا انقلابات بھی اس سے چھین سکے۔ آج جب آپ اس کوئلے کو پھر آگ پر رکھتے ہیں۔ تو یہ کوئلہ وہی پہلی حرارت اور روشنی جو اس میں حضرتِ آفتاب نے ودیعت رکھی تھی۔ آپ کے ٹھنڈے اور اندھیرے کمرے میں پھر پیش کرتا ہے۔ تاکہ آپ اپنے سرد ہاتھوں کو سینکیں۔ گرم کھانے تیار کریں اور شکرِ حق بجا لائیں۔ غرض اس آگ کو آگ نہ سمجھئے۔ یہ سالوں کی دھوپ ہے جس کا منبع اور سرچشمہ آفتاب ہی ہے۔

آفتاب نے نہ فقط آگ آپ کے گرمانے کے لئے پیش کی۔ بلکہ چائے سے بھی آپ کی تواضع کی ہے۔ آپ تو چائے اب پکا رہے ہیں حضرتِ آفتاب اسی چائے کو آپ سے پہلے چین میں پکاتے رہے ہیں یعنی اس وقت جب اس کا پودا زمین سے نکلا تھا انہوں نے اپنی کرنوں سے اس میں حرارت ڈال ڈال کر یہی خواص جن سے اب آپ مستفیض ہو رہے ہیں ان میں پیدا کر دیئے تھے۔

پھر نہ فقط یہ چائے کے پتے آپ کے لئے آفتاب نے پکائے بلکہ ان جہازوں کو بھی یہی حضرت آفتاب کھینچ کر لائے۔ جن میں یہ چائے دیگر ممالک کو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جہاز کچھ تو سٹیم کی مدد سے چلتے ہیں اور کچھ بادبانوں کی ناخدائی سے۔ آپ فرمائینگے۔ ان بادبانوں کو تو ہوا کے جھونکوں نے ڈھکیلا آفتاب کا ہاتھ کہاں سے آیا؟ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ تو فرمائیے۔ ہوا میں حرکت پیدا ہوئی تو کیونکر؟ سنئے۔

زمین حرارتِ آفتاب سے گرم ہوئی اور اس لئے وہ ہوا جو اس کے اوپر تھی وہ گرم ہو کر اوپر کو اٹھی۔ اب خلا تو رہ نہیں سکتا۔ ادھر ادھر کی ہوا بڑھ بڑھ کر اس کی جگہ لینے کے لئے تیار ہو گئی۔ جو خلا ادھر ادھر کی ہوائیں آگے

بڑھنے سے پیدا ہوا۔ اس کی جگہ پوری کرنے کے لئے اور ہوائیں بڑھیں۔ غرضکہ اسی طرح ایک سلسلہ اور دور شروع ہوگیا۔ جس کو آپ آندھی کہیں بادِ شمال کہیں۔ بادِ سموم کہیں۔ بادِ بہاری کہیں۔ یا جیسا فائدہ یا نقصان آپکو اس سے ہوتا ہو ویسا اس کا نام رکھ لیں۔ غرضکہ جہازوں کی آمد و رفت کا مدار بھی اسی سورج پر ہی رہا۔

اور لیجئے گرم پانی کا بھی سورج ہی سے تعلق ہے۔ پانی گرم ہوا کیتلی میں کیتلی گرم ہوئی۔ آگ پر۔ آگ میں حرارت آئی کوئلوں سے۔ کوئلوں میں آفتاب عالمتاب سے۔

خود پانی ہی کو لیجئے۔ آپ کہینگے یہ تو پائپ سے ہی آیا ہے لیکن پائپ میں کہاں سے آیا؟ پائپ میں واٹر ورکس سے۔ واٹر ورکس میں دریا سے دریا میں پہاڑوں کی برف پگھلنے سے۔ جنکو حضرت آفتاب نے پگھلایا۔

ایک اور صورت بھی ہوسکتی ہے کہ دریا میں پانی بارش کا آیا۔ بارش کا پانی بادلوں سے۔ لیکن بادل بھی تو ابخرے ہیں جو سمندر سے اُٹھے اور کیونکر اُٹھے؟ صاف ہے کہ سورج کی گرمی سے اب یہی پانی جو پہلے سمندر میں تھا پھر سمندر ہی کو جا رہا ہے اور راستہ میں کچھ تھوڑا سا آپ کی کیتلی میں چائے کے کام بھی آگیا۔ قدرت کے کارندے یوں کام کر رہے ہیں۔

آپ کہینگے خیر چائے کی تو اضلع تو آفتاب نے کی۔ اب رہی نان خطائی یہ تو آٹے کی بنی ہوئی۔ شکر ہے حضرت آفتاب کی کرنوں کی تو نہیں۔ مگر ذرا صبر کیجئے آپ ابھی پورے پورے حضرت آفتاب ہی کے مہمان ثابت ہوئے جاتے ہیں۔

پھر وہی دور شروع ہوتا ہے۔ نان خطائی تو آگ پر پکی اور آگ میں حرارت کوئلوں سے آئی اور کوئلوں میں آفتاب سے۔ مگر صرف اسی قدر نہیں گندم کو

بھی سُورج ہی نے پکایا اور یہ آٹا بھی سُورج ہی نے پیسا۔ آپ فرماوینگے یہ کیونکر؟ جواب یہ ہے کہ آخر پسنہاری نے کہاں پیسا؟ پن چکی میں۔ ہَوائی چکی میں مشین فلاور مل میں؟ یا اور نہیں تو اُسی پُرانی دقیانوسی دو پاٹ کی چکی میں جسے ہاتھ سے چلاتے ہیں۔ پن چکی کے لئے جیسا بیان ہو چکا دریا یا نہر میں پانی آفتاب نے چلایا۔ ہَوائی چکّی کے لئے ہَوا کو حرکت آفتاب نے دی۔ مشین میں کوئلوں کی گرمی آفتاب کی وجہ سے آئی اور لیجے۔ اگر آپ ہاتھ ہی سے چکّی چلاتے ہیں۔ تو آپ کے بازو میں سکت کہاں سے آئی۔ ظاہر ہے کہ روٹی کھانے سے اب اناج کو کس نے پکایا ظاہر ہے کہ اسی آفتاب نے۔ غرض حضرتِ آفتاب کا کرم اس قدر وسیع ہے کہ آپ کہیں بھی اس کے احاطۂ کرم سے باہر نکل نہیں سکتے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

اب ایسے بڑے سخی کا گھر دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ ہم سے کس قدر فاصلہ پر ہے؟ اس کے متعلق سُنئے سُورج کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کا پُورا اندازہ لگانا ذرا مشکل کام ہے۔ یہاں سے کھڑے ہو کر اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ سامنے سڑک پر کا درخت ہم سے کس قدر دُور ہے تو اندازہ یُوں لگائینگے۔ کہ محمڈن ہال اتنے فیٹ لمبا ہے اس کے آگے پلیٹ فارم اس قدر چوڑا ہے اور اس کے آگے سڑک اس قدر لہٰذا درخت کا فاصلہ ہم سے اس قدر ہے۔ لیکن آفتاب کی طرف نظر اُٹھایئے تو راستہ میں کوئی شے حائل معلوم نہیں دیتی۔ نہ نظر کو کچھ منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس بداہتاً آفتاب کا فاصلہ دریافت

کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مگر آجکل کے ریاضی دان ایسی مشکل کو مشکل سمجھتے ہی نہیں۔ انہوں نے ایسے طریق نکالے ہیں کہ یہیں سے بیٹھے بیٹھے تمام جائزہ لے آتے ہیں۔ اور ایسے صحیح نتائج نکالے ہیں گویا جریب سے پیمائش کی ہے۔ وہ اس طرح کہ علم مثلث (Trigonometry) کے اصول کے مطابق اگر ایک مثلث کا قاعدہ اور دو زاویہ معلوم ہو جائیں تو باقی اضلاع دریافت کرنا کوئی مشکل بات نہیں

اب فرض کیجئے ایک شخص شاہی مسجد کے مینار پر کھڑا ہے اور ہم دو شخص پر بڑ میں ٹہل رہے ہیں۔ تو وہیں سے کھڑے کھڑے ہم اس کا فاصلہ اور مینار کی بلندی دریافت کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح پر کہ ہم دور دور کھڑے ہو کر آپس میں کا فاصلہ ناپ لیتے ہیں اور پھر وہ زاویئے ناپ لیتے ہیں۔ جو اس فاصلے کے ساتھ ہماری پتلی اور مینار کی چوٹی کا خط بناتے ہیں۔ بس ایک قاعدہ اور دو زاویئے معلوم ہو گئے۔ اب سب کچھ نکل سکتا ہے۔ یہ زاویئے معلوم کرنے بھی مشکل نہیں۔ اور نہیں تو معمولی موٹے کاغذ سے قینچی کے ساتھ ذرا ہوشیاری سے کاٹے جا سکتے ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کی تدابیر سے مغربی نجومیوں نے سورج کا فاصلہ دریافت کر لیا ہے۔ دو نجومی مل گئے اور زمین کے مختلف حصص پر سے ایک ہی وقت حساب لگایا اور سوال حل ہو گیا۔ اور نہ فقط ایک طریق سے بلکہ ہزاروں مختلف صورتوں سے وہی نتائج مترتب ہوئے۔ پس صحت کا یقین لازمی امر ہے۔

سورج کا فاصلہ زمین سے کم و بیش ۹ کروڑ تیس لاکھ میل کا ثابت ہوا ہے۔ اس عدد کو دیکھئے۔ کتنا بڑا ہے مگر پورا اندازہ لگانے کے لئے اس گھڑی کو ملاحظہ کیجئے۔ کوئی آئے کوئی جائے یہ اپنی ٹک ٹک برابر کئے

جا رہی ہے۔ ایک دو تین چار پانچ چھ ..... ایک منٹ میں ساٹھ دفعہ آواز دیگی۔ دیکھئے کیسے جلدی جلدی آواز دے رہی ہے۔ ایک گھنٹہ میں ۳۶۰۰ دفعہ ایک دن رات میں ۲۴×۳۶۰۰ دفعہ غرض اسی طرح حساب کرتے جائیے ۹ کروڑ تیس لاکھ بار صرف ٹک ٹک کرنے کے لیئے ۳ سال سے زیادہ چاہئیں۔ گویا اب سے آپ گننے بیٹھ جائیے اور دن رات تین سال کے دراز عرصہ تک نہیں بیٹھے گنتے جائیے جتنی دفعہ یہ گھڑی اتنے عرصہ میں ٹک ٹک کرے گی۔ حضرتِ آفتاب آپ سے اتنے ہی میلوں کے فاصلہ پر ہیں۔ یا یوں سمجھئے آپ روز بمبئی میل اور کلکتہ میل پر سوار ہوتے ہیں اور کس قدر تیزی کے ساتھ سفر کر سکتے ہیں۔ آپ بعض دفعہ ۶۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے راستہ طے کرتے ہیں۔ فرض کر لیجئے ایک آفتاب میل تیار ہوئی ہے اور آپ بجائے بمبئی اور کلکتہ کے چشمۂ آفتاب کی طرف جانے کو ۶۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے جانا شروع کرتے ہیں۔ اگر یہ ریل دن رات چلتی رہے اور کہیں نہ ٹھہرے تو آپ سال بھر میں ۵۲۵۶۰۰ لاکھ میل طے کرینگے۔ اب ۹ کروڑ تیس لاکھ میل طے کرنے کے لئے آپ کو ۱۷۶ سال سے زیادہ سفر کرنا چاہیئے تب آپ کہیں آفتاب کے کنارے کو چھو سکتے ہیں۔ محمد شاہ رنگیلا اگر نادر شاہ سے بھاگ کر ایسی ریل میں سوار ہو جاتا اور ۶۰ میل فی گھنٹہ سفر کرتا رہتا تو شاید آج آفتاب تک پہنچ جاتا۔

اب خیال فرمائیے کہ اگر بادشاہی مسجد لاہور کے مینار پر آدمی کھڑے ہوں تو نیچے سے بالکل بالشتیے نظر آتے ہیں۔ وہ پہاڑ جس کے دامن میں کھڑے ہونے سے اُن کی چوٹیاں فلک سے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر انہیں

تین چار میل سے دیکھا جائے تو بمشکل کنارۂ افق کو ڈھانپ سکینگے۔ لہذا کوئی چیز جتنی دُور ہو اُسی قدر وُہ چھوٹی معلوم دیتی ہے۔ پس آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ایک طاس کے برابر نظر آتا ہے اس کا حجم کس قدر ہوگا؟ جب اسٹرانومر (نجومی) حساب لگاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُورج بہت بڑی چیز ہے۔ معلوم تو ایک چپاتی جتنا ہوتا ہے لیکن سارے محمڈن ہال سے بڑا ہے بلکہ سارے لاہور سے نہیں۔ سارے پنجاب سے نہیں سارے ہندوستان سے۔ بلکہ ساری دُنیا سے۔ ہماری زمین کا گولہ جب اس کا سُورج سے مقابلہ کیا جائے تو یہ مقدار میں ہیچ نکلتا ہے۔ آپ حیران ہونگے اگر آپ کو بتایا جائے کہ سُورج اِس قدر بڑا ہے کہ اگر ایک لاکھ کُرے زمین کے کُرے کی مانند ایک جا رکھے جائیں تب بھی وُہ سب مل کر سُورج کے کُرے سے حجم میں کم ہی رہینگے۔ اگر سُورج کا کُرہ ایک فُٹ بال کے برابر سمجھا جائے تو زمین بندوق کے چھرّے کے ایک دانے کے بمشکل مطابق ہوسکتی ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

اَے نادان انسان! ذرا ایک منٹ کے لئے سوچ تو کیا ناچیز ہستی ہے اپنا مقابلہ اُن قدرت کی مصنوعات سے کر جن سے تو گھرا ہے۔ پہاڑوں کا ایک ایک پتھر تیری ہستی کو نابود کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ پھر سوچ کہ تیری ہستی اس کرۂ زمین کے سامنے محض صفر کے برابر ہے اور جب یہ سوچ چکے تو خیال کر کہ یہ دُنیا اُن اجرامِ سماوی کے سامنے پاسنگ کے برابر بھی نہیں جو تیرے سامنے لڑھکتے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں تجھ جیسی لاکھوں جانیں تلف ہوجائیں تو جہان کو پرواہ نہ ہو اور تیری دُنیا جیسے لاکھوں اور کروڑوں گنی دُنیائیں نابود ہوجائیں تو نظامِ عالم

میں کوئی تغیر معلوم نہ ہو۔ اس پر سوچ کہ تیرا اکبر تیرا غرور تیرا ہمچو من دیگرے نیست۔ کس قدر ہے گویا معاذ اللہ تو اپنے تئیں خدا جانتا ہے۔ ہاں بیشک تو خدا ہی ہے لیکن تو اپنی خدائی کو فریب ہستی کے ہاتھوں لٹا چکا ہے۔ تجھے دنیاوی تعلقات اور بھائیوں کے ساتھ جھگڑے اور نزاعے ہی اتنی فرصت نہیں دیتے کہ تو اُس وسیع برادری کی طرف توجہ کرے جو آسمانی برادری ہے اور اُن عجائبات کو دیکھے جو دن رات تیرے سامنے اپنے فرائض کے گیت گاتے ہوئے اچھلتے کودتے انکو انجام دیتے ہیں۔

خواجہ دل محمد صاحب دل ایم اے
پروفیسر اسلامیہ کالج۔ لاہور

---

**نشترِ سخن** علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ العباسی وکیل گورکھپور۔ دنیائے تصنیف و تالیف میں اس قدر نام بردار بزرگ ہیں کہ ہمیں اُنکی تعریف سے استغنا ہے۔ اور انکا نام ہی کتاب کی خوبی کیلئے کافی ضمانت ہے۔ حال میں آپنے ایک ضخیم کتاب ۴۷۲ صفحوں کی نشترِ سخن کے نام سے تالیف کی ہے۔ اس میں زبان اُردو کے نامور شعرا یا بانیوں کے کلام کا بہت ہی عمدہ انتخاب دیکر یہ دکھا دیا اور ثابت کر دکھایا ہے کہ عربی اور سنسکرت کی ایشیائی شاعری بہترین شاعری ہے۔ اور اُردو شاعری ان دونوں کے خرمن سے خوشہ چین بننے کی وجہ سے کمال اور حُسن کے معراج پر پہنچ گئی ہے۔ دیباچہ میں زبانِ اُردو کی تاریخ پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جو اس زبان کے موافقین و مخالفین کی کشمکش کو دور کرنے میں بغایت مفید ہو سکتی ہے۔ قیمت فی جلد دو روپیہ ہے۔ اور منشی سیتلا بخش صاحب لکھنوی گورکھپور۔ ممالک متحدہ سے درخواست کرنے پر مل سکتی ہے۔ **مینجر عباسی برادران**

# کھیل

یہ مضمون ہمارے محترم قلمی معاون خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب ممبر بال۔ کونسل آف ریجنسی ریاست بہاولپور کے دماغ نکتہ آفرین اور قلم لذت رقم کا چکیدہ ہے۔ اور ایسے ہی مضامین کی ملک کو ضرورت بھی ہے جن سے نئی نئی امنگوں کا ابھار ہوتا اور دماغوں میں جدت کا نور پرتو فگن ہو سکتا ہے۔

قدرت نے مختلف اقسام کی اشیاء اور چیزیں پیدا کیں اور مختلف الوان اور صور سے انہیں ترتیب دیا۔ تو کیوں؟ اس لئے کہ انسان جو مخلوقاتِ عالم میں سب سے اشرف اور نجیب الخلقت ہے۔ اُن مصنوعاتِ باری تعالیٰ سے عملی رنگ میں ہر نوع کے ذہنی۔ جسمانی اور رُوحانی۔ بلکہ ہر قسم کے حسّی فوائد تک حاصل کرے اور اپنی ظاہری اور معنوی دونوں زندگیوں کے خوش آئند اور مفید بنانے میں کوشاں ہو۔

اگر ہم چشمِ غور سے دیکھیں تو جو کچھ ہمارے اِرد گرد سجا سجایا سامان پایا جاتا ہے۔ یہ ہمارے واسطے ایک بہت بڑا دلچسپ سامان ہے۔ سُرخ۔ سفید۔ زرد ارغوانی اور آسمانی رنگ کی مختلف الالوان چیزیں۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات یہ ایک ایسا خوش آئند سامان ہے۔ جس سے ہم مختلف صُورتوں میں بشاشت اور فرحت حاصل کرتے ہیں۔ سماعت۔ بصارت۔ دماغ۔ ذہن۔ احساس اور دل اس سارے سامان سے ساعت بساعت بلا کسی معاوضہ کے جو حظ جو سرور اور فرحت حاصل کرتے یا پاتے ہیں۔ اگر اس کی قیمت اور معاوضہ لگایا جائے تو ایک بڑی بھاری رقم ہو سکتی ہے اور تسپر

بھی اس آسانی سے ان کا مہیّا ہونا مشکل ہے۔

قدرت نے یہ کیوں کیا اور کیوں اس سامان کو ضروری سمجھا؟ اس واسطے کہ انسان کی زندگی اس کے بغیر کسی حد تک رائگاں اور دوبھر ہے۔ انسان خود بھی ایک مشغلہ ہے اور مشغلہ کا خواہاں بھی ہے۔ انسان کی زندگی شروع سے مشغلہ پسند ہے اور سلطان بھی۔ جاہل بھی اور ایک فلاسفر بھی۔ ایک رکھی بھی اور ایک دُنیادار بھی۔ یہ کہا جائیگا کہ مشغلوں میں فرق ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جائیگا کہ کوئی ہستی مشغلہ سے خالی ہے۔ قدرت نے کس مقصد و مرکز پر یہ بنا رکھی ہے؟ صرف اس پر کہ سوائے ان مشاغل کے انسان کی زندگی محض بے لطف ہی نہ رہ جاتی۔ بلکہ اسباب صحت میں بھی گونہ کمی رہتی اور اس کی قوتوں اور جذبات میں وہ جدت نہ پیدا ہوتی۔ جس کی ضرورت ہے اور جس کے واسطے انسانی زندگی اور انسانی ہستی رشکِ مخلوقات بن رہی ہے۔

بچہ پیدا ہوتے ہی کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہتا ہے۔ کبھی یہ مشغلہ خوشی اور فرحت سے پُورا کرتا ہے اور کبھی کھیل اور ہنسی میں اور کبھی رو دھو کر اس منزل سے گذرتا ہے۔

کہتے ہیں جب کوئی بچہ کسی نہ کسی مشغلہ میں نہ ہو اور خاموشی سے وقت گذار دے تو اس کے طبعی جذبات یا اس کی فطری حالت کی چلتی گاڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی روڑا اٹک جاتا ہے۔ اس کا خاموش ہونا بلا مشغلہ رہنا علامت ہے اس بات کی کہ اس کی طبیعت کسی نہ کسی وجہ سے کُند پڑ گئی ہے۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی نقص آ گیا ہے۔ بچہ بچپن میں جو حرکتیں کرتا ہے اور جن موریں اس کی الہڑ زندگی کے دن گذرتے ہیں وہ سماں ظاہر کرتا ہے کہ انسان کہاں تک خوشی اور فرحت کا خواہاں ہے۔

اگرچہ انسانی زندگی کے ساتھ غم اور کلفت لازمی ہے۔ لیکن باایں ہمہ انسان ہمیشہ سرور اور خوشی کا خواہاں ہے۔ قدرت کی رعایات اور عنایات دیکھ کر انسان نے خود بھی اپنے واسطے سرور۔ خوشی۔ فرصت اور مسرت کے سامان پیدا کرنے میں کمی نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس بیابانِ جنون میں وہ بہت کچھ دور تک چلا گیا ہے اور اس نے ان باتوں سے بجائے فوائد کے نقصان بھی اٹھائے ہیں۔ اس دھن میں بدقسمتی سے ایسی ایسی منزلوں سے گذرا ہے کہ اصل منزل ہی بھول گیا یا پیچھے چھوڑ گیا۔

تمام قوموں اور سارے ملکوں میں کسی نہ کسی رنگ میں کھیلوں کا وجود ضرور پایا جاتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی حد تک اُن کے عادی ہیں۔ کوئی کسی رنگ میں اور کوئی کسی رنگ میں۔ جس سرزمین میں انسان گیا اور جہاں اس ہستی کے قدم پڑے وہاں ہی کوئی نہ کوئی کھیل یا تماشا مہیا کیا گیا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ انسان بجنسہٖ اس کا عادی اور خواہشمند ہے اور وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ اس کی خواہش محض نفسانی یا عارضی نہیں ہے بلکہ یہ ایک طبعی خواہش ہے اور اس سے اس کی زندگی پر ایک خاص اثر پڑتا ہے اور اگر وہ اس سے تمام عمر خالی رہتا ہے تو اپنی زندگی کے واسطے ایک قسم کی برائی اور خرابی خود پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ کھیلوں اور تماشوں میں بہت کچھ خرابیاں اور اخلاقی برائیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن ہمیں بالذات اور نفسِ کھیل سے کبھی انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھیل صرف ایک کھیل ہے۔ یعنی کھیل سے ایک فضول اور عبث حرکت یا حرکات مراد ہیں۔ یہ ایک برا پہلو لیا گیا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض شخصوں نے کھیل کی صحیح فلسفی پر غور نہیں کیا اور یہ سوچا نہیں کہ یہ ہے کیا! اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ کھیل بمعنی کھیل یعنی فضول حرکات کے نہیں ہے بلکہ کھیل سے مراد وہ تفریح اور وہ ورزش اور وہ فعل ہے جس سے انسانی زندگی کے کل اور پرزوں میں برنگِ عمل ایک قسم کی صحیح حرکت اور صحیح دَور پیدا ہوتا ہے اور انسان اُن افعال سے اپنے دماغ اور دل میں ایک قسم کا تفریحی مواد بہم پاتا یا مہیا کیا کرتا ہے۔ انسان کیوں اور کب کھیلنا چاہتا ہے۔

جب اس کی طبیعت پر کسی قسم کی اُداسی۔ تردد۔ کاہلی سستی یا کلفت موثر اور غالب ہو۔ جب وہ ایک لگاتار مصروفیت اور کام سے تھک جائے۔ جب اس کا دماغ اور دل کام کرتے کرتے آرام کا خواہاں ہو۔

جب وہ ایک رواں حالت یا طاری کیفیت سے ایک دوسری قسم کی آزادانہ کیفیت کا ضرورتاً متلاشی ہو۔

ان حالات میں کھیل کا نام دوسرے الفاظ میں ایک ایسا مشغلہ ہوا جو بجائے خود ایک کام بھی ہے لیکن اس میں بجائے تکان اور کلفت کے ایک قسم کی آزادی اور سیر ہے اور دل و دماغ ایک خاص وقت تک اُسے پسند کرنے پر مجبور ہیں۔ کھیل سے بھی جب دل و دماغ اُکتا جاتے ہیں تو وہ بھی ایک کام اور پابندی ہو جاتا ہے اور اصل کام اور مصروفیت سے جب انسان اُکتا جاتا ہے اور کوئی کھیل چاہتا ہے تو وہ کام بھی وبالِ جان ہو جاتا ہے۔ اس کی کلفت دُور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھیل تلاش ہوتا ہے۔ لگاتار۔ کام اور مصروفیت میں بدن ماندہ ہوتا اور تھک جاتا ہے اور بدن ہی نہیں بلکہ قوتوں

اور جذبات میں بھی ایک قسم کی ناتوانی اور کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے لیکن مناسب حد تک کھیل سے بدن میں توانائی اور رونق آیا کرتی ہے۔ اور قوتوں اور جذبات میں ایک قسم کی جدت صفائی مضبوطی۔ روشنی اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔

جب کبھی انسان صبح سے شام تک کام کرتے کرتے انگڑائی یا جمائی لیکر اُٹھتا اور اِدھر اُدھر پھرتا چلتا ہے تو اس کی جان یا اس کی طبیعت ایک قسم کی طمانینت میں آجاتی ہے اور جب وہ کوئی خوش نما یا خوش آیند سماں دیکھتا ہے تو اس کو اور بھی آسائش ملتی اور اس کی کلفت دور ہوتی جاتی ہے۔ کھیل کیا ہے؟ یہ بدن کی جسمانی اور روحانی قوتوں اور بڑھنے اور گھٹنے والے جذبات کو سماعی۔ بصری اور عملی نظاروں اور تصورات، مشاہدات اور حرکات سے مستفید کرکے انہیں اپنے مرکز اور مواقع پر ٹھہرانے والا ہے اور وہ غذا ہے جو قدرت نے عملی رنگ میں انسان کے جذبات اور اعصاب کے واسطے خود اسی کی طبع میں ودیعت کر رکھی ہے۔

ہر انسان اپنی ہی ذاتی نظر سے یہ معمّا۔ آسانی سے حل کرسکتا ہے۔ روزمرہ ورنہ ہفتہ میں ایک یا دو بار ضرور ہر انسان ایسے مشاہدات کرتا ہے کبھی کبھی ایک متردد اور پریشان انسان خوش آواز سُنکر یکایک اپنی جان۔ اپنے بدن اور اپنے خیالات کے سمندر میں ایک قسم کی ایسی خاص کیفیت اور تموج پاتا ہے کہ وہ اس کے غم زدہ اور افسردہ جذبات کے واسطے ایک مخصوص مشغلہ کی صورت میں کمال فرحت بخش اور آسائش دہ یا سرور انگیز ہوتا ہے۔ بدن کے اعصاب میں ایک گرم جوشی اور امید آمیز حرکت پیدا ہوجاتی ہے اور انسانی اپنے تئیں کسی اور ہی رنگ اور صورت میں پاتا ہے اس قسم کی تمام صورتیں اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ

انسان اور اس کے جذبات یا اس کی زندگی بالخصوص اُن افعال اور اُن حرکات سے آسائش پاتی ہے۔ جو اس کے معمولی یا روزمرّہ کے کاموں سے علاوہ کچھ اور ہی صورت اور مختلف پہلو رکھتے ہیں۔

اس بحث سے ثابت ہے کہ کھیل یا کھیلنا اس حد کے اندر ہے جس کو ضرورت جائز رکھتی ہے۔ فضول اور عبث نہیں ہے اور واقعی نظامِ بدنی کے واسطے اسکی سخت ضرورت ہے اور اس سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ

ہر ملک اور ہر قوم کے کھیل جداگانہ کیوں ہیں؟ اِس کا یہ جواب ہے کہ جس طرح انسانی زندگی میں۔

" آب و ہوا۔

" ضروریات۔

" اداب معاشرت

کو بہت کچھ دخل ہے۔ اسی طرح پر کھیلوں اور کھیلوں کی ترتیب میں بھی انہی اوکا بہت کچھ دخل ہے۔

سرد ممالک کے کھیل کوئی اور کیفیت رکھتے ہیں اور گرم ملکوں کے کھیلوں کا طور طریقہ کچھ اور ہے۔ جو قومیں سرد ممالک میں رہتی ہیں اُن کے کھیل گرم ممالک کی قوموں سے عموماً مختلف ہونگے۔ پہاڑی ملکوں اور پہاڑی قوموں کے کھیل کچھ اور کیفیت رکھتے ہیں اور میدانی اقطاع کے کھیل نسبتاً کچھ اور ہوتے ہیں اسی طرح مردوں عورتوں اور عوام اور خواص کے کھیلوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ نسبت کے اعتبارات سے کھیلوں کی تقسیم کی جاکر ترتیب دی گئی ہے۔ چونکہ لوگوں نے کھیلوں کی ہستی تقریباً لغو سمجھ رکھی ہے۔

اور یہ ورثہ ہمارے ملک یا ہماری قوموں میں صرف نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ہی دیا گیا ہے۔ اس واسطے ان کی بابت کوئی صحیح مجموعہ ہماری زبانوں میں نہیں مل سکتا۔ یہ ایک عملی اور علمی نقص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے کھیلوں میں کبھی کوئی ترمیم اور تجدید نہیں ہوتی اور دنِ بدن اُن کا مشغلہ موقوف اور ان کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

صرف صوبہ پنجاب میں لڑکوں اور لڑکیوں کے کوئی ۶۰ - ۷۰ کھیل ہونگے۔ اور اُن میں سے بعض کھیلوں میں نظامِ بدنی کے متعلق ایک ایک حکمت اور مفید کیفیت رکھی گئی ہے۔ لیکن اُن کی صحیح تفصیل ایک مجموعہ میں بہت مشکل سے ملیگی۔ پنجاب میں جس قدر پُرانے کھیل پائے جاتے ہیں۔ وُہ مردوں اور عورتوں میں ایک نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تقسیم شدہ ہیں۔ یہاں جو کھیل مرد کھیلتے ہیں وُہ عورتیں نہیں کھیلتیں اور جو کھیل عورتیں کھیلتی ہیں انہیں مرد پسند نہیں کرتے یا وُہ اُن کے مناسب حال نہیں ہیں۔ مردوں کے کھیلوں میں طاقت۔ مزور اور دوڑ دھوپ زیادہ ہے۔ جسے عورتیں پسند نہیں کرتی ہیں یا اُن میں پُوری نہیں اُتر سکتیں مرد عورتوں کے خاص کھیل اس واسطے بھی نہیں کھیلتے کہ اُن میں واقعی ایک قسم کا زنانہ پن پایا جاتا ہے اور بعض کھیل ایسے بھی ہیں۔ جو مشترکہ کہے جا سکتے ہیں۔ کھیلوں کی کیفیتی تقسیم اور اس کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں:۔

(الف) دماغی کھیل۔

(ب) جسمانی کھیل۔

(ج) عملی کھیل۔

(د) علمی کھیل۔

دماغی صرف وہ کھیل ہیں جن سے دماغ کو خاص تعلق ہو اور سوائے دماغ سوزی کے اُن کی تکمیل نہ ہو سکے جسمانی کھیلوں میں دماغ سوزی کم ہوتی ہے لیکن زور اور طاقت یا حرکات کا زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

علمی کھیلوں میں کفایت اور حکمت پر بحث ہوتی ہے۔

عملی کھیلوں میں عمل اور پابندیٔ واجبات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

غرضیکہ چاہے کسی قسم کا کھیل ہو۔ ہر کھیل ایک تفریح اور ایک نتیجہ ضرور رکھتا ہے۔ تفریح کے لحاظ سے وُہ دل و دماغ پر اثر کرتا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے جسم اور ضروریاتِ جسمانی پر موثر ہوتا ہے۔ کوئی کھیل ان دونوں مواد سے خالی نہیں۔ اور اگر کوئی کھیل اِن اُمور سے خالی ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ وُہ ابھی تکمیل طلب ہے۔ یا اس کی کیفیتِ تفریحیہ اور ضرورت پر کامل غور نہیں کیا گیا۔

کھیلوں کی بابت ہماری قوموں اور ہمارے ملکوں میں ایک ایسی بڑی علمی یا ترتیبی غلطی پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے اُنکی حقیقت مستتر اور اُنکا فائدہ مشکوک ہوگیا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کھیل صرف۔ نوعمر یا نوخیز نسلیں ہی کھیل سکتی ہیں اور لہو ولعب محض انہیں کا حصّہ ہے۔ یہ ایک غلطی ہے۔ بنسبت نوخیزوں اور نوعمروں کے بڑی عمر والوں کو تفریح اور ورزش کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ نوعمروں کے جذبات اور اعصاب خود بخود نشو ونما کے کُرہ میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور وُہ سوائے اس کے کہ کوئی روک ہو جائے خود بخود ہی بڑھتے جائینگے۔ لیکن عمر رسیدہ لوگوں کے جذبات خصوصیت سے ارتقاء اور مواد محیّیہ اور اسباب نشویّہ کے خواستگار ہیں اُنہیں تفریح

اور ورزش کی زیادہ ضرورت ہے۔ جو شخص ایسی عمر میں کوئی مہذب اور مفید ورزش کر سکتا ہے اور کوئی کھیل کھیل سکتا ہے۔ تو یہ اس کا طبعی حق ہے۔

ہمارے ملک میں جب کوئی بڑا بوڑھا آدمی ایسا کرتا ہے تو اُسے خواہ مخواہ نکو بنایا جاتا ہے۔ جاپان میں بوڑھے آدمی بعض ایسے خاص کھیل کھیلتے ہیں کہ لڑکے اور نوجوان اُن کی صرف سیر دیکھتے ہیں۔ یہاں جب کوئی صاحب مرکز و رتبہ یا صاحبِ عزت و مرتبہ کوئی ورزش کرتا یا کھیل کھیلتا ہے تو لوگ اس پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ گویا انکی نگاہوں میں ایسے لوگ تفریح اور ضرورتِ زندگی سے فارغ خطی لے چکے ہوتے ہیں۔ اور اُنکی زندگی صرف اپنے مرتبہ کے رکھ رکھاؤ کے خیال ہی پر بسر ہو سکتی ہے۔ یورپ میں رات کے کھانے کے بعد کوئی نہ کوئی کھیل یا مہذب مشغلہ ضرور ہوتا ہے۔ اور یہاں رات کے کھانے پر ہی سب قسم کی کلفتوں کا باب کھلتا ہے۔ اب ہمارے ملک میں بعض انگریزی کھیل بھی آگئے ہیں بیشک اُن میں سے بعض کھیل بہت مفید ہیں۔ ضروری ہے کہ اُن کا چربہ بھی اُتارا جائے۔ اور وہ بھی کام میں لائے جائیں۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہیے کہ ملکی اور گھر کے کھیل بالکل ہی ترک کر دیئے جائیں۔

جدید بیشی سے کوئی حرج نہیں لیکن کمی بموجب نقص ہے ہاں غیر مہذب مضرِ صحت اور مزیل ناموس کھیل بیشک قابل ترک ہیں۔ اس میں بحث ہے کہ ہمارے ملک میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں۔ اُن سب کو کھیلوں کے زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پنجاب میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں وہ سب ہمیں یاد نہیں ہیں۔ مگر اُن میں سے چند کا ہم کچھ بیان لکھتے ہیں۔ اِن کھیلوں کے نام پنجاب کے مختلف حصوں میں مختلف بھی ہونگے۔

اور اس حد تک کے طرز عمل میں بھی فرق ہوگا اور بعض کھیل ایک جگہ کے سوا دوسری جگہ میں پائے بھی نہ جاتے ہونگے :-

## مردانہ کھیل

(۱) کبڈی یا کوڈی۔

(۲) سونچی۔

(۳) اتہ پتا گلوگل پہاڑیا۔

(۴) تتر مور کسنا بہاسا۔

(۵) چیچو چیچ کھدولیا۔

(۶) گول کوڈی۔

(۷) اِٹ کھرکا۔

(۸) کھدو پٹی۔

(۹) ممولی گھوڑی۔

(۱۰) آٹنی پٹنی پون سلائی جھٹ ایں گئی۔

(۱۱) میری میری گھویاں۔

(۱۲) کوٹلہ چھپائی جمعرات آئی۔

(۱۳) لال پکی۔

(۱۴) ایچکنا مچکویا۔

(۱۵) خان خان متو تیا۔

(۱۶) پنج گٹا۔

(۱۷) لینگی ٹیر۔

(۱۸) گلی ڈنڈا۔

(۱۹) لاٹو۔

(۲۰) اک مسکی چک لے دوجی تیار۔

(۲۱) اہنی گھوڑی یا اہتہ کھودانہ۔

(۲۲) رسّہ۔

(۲۳) چھکڑی۔

(۲۴) چکڑ لوہا۔

(۲۵) لوکن چھپی۔

(۲۶) فیتہ۔

(۲۷) پھینک۔

(۲۸) تاش۔

(۲۹) شطرنج۔

(۳۰) سودی یا گیڑی۔

(۳۱) کنکوا یا پتنگ بازی۔

(۳۲) گمدر۔

(۳۳) منگلیاں یا موگریاں۔

(۳۴) توہد۔

(۳۵) لون پٹنا۔

(۳۶) چھلّہ

(۳۷) کوڈیاں۔

(۳۸) چھلڑی چھپیا۔

(۳۹) لال یا دودا۔

# عورتوں کے کھیل

(۴۰) کھینوں -

(۴۱) گوڈیاں -

(۴۲) کلکیلی -

(۴۳) کھدو کھیلے تھال پاسے -

(۴۴) کانٹو -

(۴۵) بھاں تلیاں -

مشترکہ کھیلوں میں مثل کھیل ٹاٹ نمبر ۲۵ + ۲۸ + ۲۹ ہیں - پنجابی کھیلوں کی تاریخی کیفیت ابھی تک اخفا میں ہے - ممکن ہے کہ بعض کھیل کسی دوسرے ملک سے بھی آئے ہوں +

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر مال

کونسل ریاست بہاولپور (پنجاب)

کاپی کی سیاہی { یہ سیاہی دیکھنے میں چمکیلی - لکھنے میں رواں - چھپنے میں نہایت مضبوط

کاتبوں - سنگسازوں - پریسیوں کی معاش کے لئے مددگار ہے - بذریعہ وی پی منشی فضل الٰہی مرغوب رقم - لاہور - کوچہ ڈوگراں سے منگائیں

# روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر

## (چیف جسٹس حیدرآباد دکن)

۱۸۔ جنوری ۱۹۱۸ء | قریب ڈھائی بجے کے میں محمد علی صاحب روگھی سے ملا اور انکو لیکر مورلیس صاحب کے خاندان کے لوگوں سے جو پارک لین میں رہتے ہیں ملنے گیا۔ بعد ازاں روگھی صاحب کے مکان پر کھانا کھایا اور ۱۰ بجے تک وہاں ٹھہرا۔ بانڈ اسٹریٹ میں میں نے دیکھا کہ بعض دوکانوں میں شہزادہ البرٹ وکٹر کی تقریب سالگرہ میں روشنی کی گئی ہے۔ میں سرکس تک اور تھوڑی دور ایجنٹ اسٹریٹ میں گیا۔ لیکن اس کے آگے روشنی نہ ہونے سے ویگو اسٹریٹ کی طرف پلٹا۔ اور بانڈ اسٹریٹ ہوکر میں اپنے کمرہ واقع گانڈویٹ اسٹریٹ نمبر ۴۱ کو چلا گیا۔ بانڈ اسٹریٹ میں بہت سی دوکانوں میں روشنی کی گئی تھی۔ اور پیکٹوں میں اور کانڈوپٹ اسٹریٹ کی دو ایک دوکانوں میں اچھی روشنی تھی۔

۱۲۔ جنوری | آج تیسرے پہر مسٹر و مسز ہومرشم کاکس حسب وعدہ مجھ سے ملنے آئے اور چائے نوشی کے وقت تک ٹھہرے۔ میں اُن کے آنے سے بہت خوش ہوا۔

۱۳۔ جنوری | آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ برف باری ہو رہی ہے۔ قریب چار بجے کے میں اوپراہیٹ (کلاہ) خریدنے اور شمپو کرانے (یعنی مصالحہ لگا کر سر دھلوانے) کے لئے باہر نکلا۔

۶۔ ساعت ۱۰ دقیقہ پر میں روگھی صاحب کے یہاں گیا اور اُس کے بعد ہم سب ملکر نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کے جلسہ میں گئے۔ یہ کمرے کینڈاس

اسٹریٹ نمبر ۱۱ میں واقع ہیں اور یہ وہ مکان نہیں ہے جہاں سابق میں جلسے ہوا کرتے تھے۔ موجودہ کمرے بہ نسبت اُن کے بہت اچھے ہیں۔

بہت سے ہندوستانی احباب سے ملاقات ہوئی۔ لیڈی لمسڈن اور مسز پیگاٹ اور اُن کی بھتیجی سے مجھ سے تعارف کرایا گیا۔ لیڈی لمسڈن ہندوستان ہو آئی ہیں۔ مس مورس اور مجھ سے ایک عرصہ دراز تک تہیوسافی (علم صوفیہ) اور قدیم مصری عمارتوں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ان مضامین پر ہم دونوں میں ہمیشہ بحث ہوتی رہتی ہے اور کوئی نہ کوئی تازہ بحث نکل آتا ہے اور ہر وقت علیحدگی ہم دونوں سمجھتے ہیں کہ ہماری رائیں متفق نہیں ہو سکتیں گو ہم دونوں میں باہم یکساں ہمدردی ہے۔ ہم باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ بہت ہی تھوڑے مہمان باقی رہ گئے۔ میں اپنے کمرے (مسکن) کو قریب ½ ۱۱ بجے کے واپس ہوا جو کیونڈش اسکوائر سے بہت دور نہ تھا۔ اور کتاب دی پرائم منسٹر کے چند صفحہ دیکھکر میں نے آرام کیا۔

۱۴۔ جنوری | میں کلب کو واپس گیا۔ اور میں نے اپنے اُستاد کو جو کیمبرج میں تھے لکھا کہ میں اُن سے کل ملنا چاہتا ہوں۔ دفعتاً میرا ارادہ پھر کیمبرج جانے کا ہے۔

۱۵۔ جنوری | کنگس کراس سے ½ ۱۱ بجے روانہ ہو کر ½ ۱۲ بجے کیمبرج پہنچا اور مسٹر کارٹ مل سے ملاقات ہوئی۔ مختلف امور پر اُن سے باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹر پیل جو مجھ سے جانی کہے جاتے ہیں۔ کیمبرج میں نہ تھے۔ مسٹر کارٹ مل نے مجھے ان کا لندن کا پتہ دیا اس لئے میں ½ ۴ بجے کی گاڑی میں واپس ہوا اور ان سے مڈلینڈ ہوٹل میں ملا۔

۱۶۔ جنوری | آج میں نے ہندوستان کو خط لکھے جن میں مختصر طور پر امتحانِ بیرسٹری

کے نتیجہ کا ذکر درج کیا۔ لیکن کیمبرج واپس جانے کے ارادہ کا کچھ ان میں ذکر نہیں لکھا۔
مَیں نے لنکلن اِن میں کھانا کھایا اور بار ٹیبل پر دوبارہ پیش کیا گیا۔
ہمارے اِن کا یہ ایک خاص طریقہ ہے۔ ایک مرتبہ مَیں اپنے تیسرے اور چوتھے ٹرم میں پیش کیا گیا تھا اور اب اپنے بارھویں ٹرم میں پیش کیا گیا۔
مَیں مسٹر برڈ سے ملا۔ جو صرف اسی ٹرم میں اِن میں شریک ہوئے ہیں۔
مَیں اپنے مقام سکونت پر واپس گیا اور اینٹونی ٹرالوپ کی کتاب پرائم منسٹر کو ختم کرنے کی غرض سے ایک بجے کے بعد تک جاگتا رہا۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے بہت تفریح ہوتی ہے لیکن غیر معمولی طور پر یہ کتاب عمدہ نہیں ہے اور تمام کتاب بلحاظِ اپنی عمدگی کے یکساں ہے۔

۱۷۔ جنوری | کیمبرج کی روانگی سے پہلے میں مسٹر روگھی کے پاس رخصت ہونے کے لئے گیا۔ اس کے بعد ماس صاحب کے خاندان کے لوگوں کے پاس گیا۔ مسز راس کا مزاج اچھا نہ تھا۔ مس راس سے ملاقات ہوئی اس کے بعد کلب کو واپس گیا۔ اور لیونل ٹینی سن سے کلب کے باہر ہی ملاقات ہوگئی۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ مَیں آپ کے نام ایک چھٹی پورٹر کو دیکر آیا ہوں۔ جس میں میں نے آپ کو کل ۱۰ بجے شب کو پارٹی میں (دعوت میں) بلایا ہے لنکلن اِن میں پھر کھانا کھایا اور جے کارٹ رل سے ملا جنہوں نے مجھ سے رخصت نہ ہونے کے متعلق بہت سے عذرات کئے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ مَیں ٹرم کے واسطے کیمبرج آتا ہوں۔

۱۸۔ جنوری | آج تیسرے پہر کو میں مس سپنگ سے ملنے گیا۔ اور دس بجے شب کو مسٹر ٹینی سن کے مکان پر گیا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ امریکن جنرل گرانٹ کی بیٹی بھی وہاں تھیں جن سے مجھ سے پہلی کھانے کی دعوت میں ملاقات

ہوئی تھی۔ پروفیسر سیلی بھی معہ مسٹر و مسز بارنٹ کے وہاں تھے۔ مسز پراتھرو۔ اور مس بوچرس بیٹیاں اور بہت سے قابل اشخاص وہاں موجود تھے۔ مسز ایل ٹینی سن جو عمدہ میزبان تھیں خود بھی بہت قابل ہیں۔ کئی مردوں اور عورتوں نے گایا بجایا۔ سب سے عمدہ پیانو بجانے والی مس وائٹ تھیں۔

مَیں نے طے کرلیا ہے اور اپنے اُستاد سے آئندہ چارشنبہ کو کیمبرج جانیکی اجازت مانگی ہے۔

۱۹۔ جنوری | راس صاحب کے یہاں میں نے دعوت کا کھانا کھایا۔ وہ لوگ حسب دستور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ مسز راس کا مزاج زکام اور کھانسی سے کسی قدر ناساز تھا۔ کھانے میں اور کئی آدمی شریک تھے۔ مسز ڈونی جن سے مَیں کئی مرتبہ سابق میں مل چکا تھا اُسی مکان میں قیام پذیر تھیں اُن کی دو بھتیجیاں مع اپنے بھائی کے کھانے میں شریک تھیں۔ کرنل راس کے فرزند ماسٹر سانڈی بھی دعوت میں آئے تھے۔ مَیں نے جو انکو پچھلی مرتبہ دیکھا تھا اُسوقت سے وُہ بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ کھانے کے بعد مس راس نے گانا گایا ان کی آواز بہت اچھی ہے۔ ۳½ بجے میں برخاست کرکے کلب گیا اور شب کو ڈنر کھایا۔ پھر واپس ہوا۔

۲۰۔ جنوری | دس پونڈ یعنی اشرفیوں میں ایک پورٹ منٹو مَیں نے خرید کیا جو فرمائش پر بنایا گیا تھا۔ مجھ سے غریب آدمی کے لئے یہ بہت زیادہ ہے لیکن اچھا وقت بھی آنے والا ہے۔ لنکلن ان میں جہاں میں کھانے کو بیس منٹ قبل پہنچ گیا تھا۔ کھانا کھایا اور خوش قسمتی سے لٹن اور شیئین سُننے کا موقع ملا جو ایک طالب علم نے حاضرین کو سُنایا۔

اگرچہ میرے والد مجھے جلد ہندوستان واپس بُلانا چاہتے ہیں۔ اور مجھے

بیرسٹری کا صرف ایک ہی مضمون میں امتحان پاس کرنا باقی رہ گیا ہے۔ جو میں بآسانی پاس کر سکتا ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ کیمبرج کی ڈگری کے بغیر واپس نہ ہوں اس لئے میں چپ چاپ لندن سے کیمبرج جاتا ہوں۔

۲۲ جنوری | کیمبرج پہنچ گیا۔ داس کے ساتھ صبح کا کھانا اور فاکس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ ٹرنٹی اسٹریٹ اور کنگز پریڈ میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد نمبر ۱۶ کنگز پریڈ پر نہایت عمدہ کمرے اول منزل پر سولہ اشرفی (پونڈز) فی ٹرم پر کرائہ لئے۔

رستہ میں بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی جن سے میں سال گذشتہ رخصت ہو گیا تھا۔ کیونکہ کیمبرج واپسی کا خیال اُس وقت نہیں تھا۔ سب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

۲۳ جنوری | آج میں نے ہندوستان کو خطوط لکھے۔ میں نے دفعتاً خبر دینا مناسب نہیں خیال کیا۔ اس لئے میں نے مختصر طور پر کیمبرج واپس جانے کے متعلق لکھا تاکہ وہ لوگ آنے والے نازک واقعہ کے واسطے تیار ہو جائیں۔ آئندہ جزو کو میں مفصل لکھونگا۔ کہ مجھ کو بلانے سے کیا کیا نقصانات ہونگے۔

میں کاکس صاحب اور داراکر صاحب کے مکان پر گیا اور پروفیسر سیلی کے پاس اس خیال سے گیا کہ وہ ایک کنورسیشنل کلاس قائم کیا کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے دن یا وقت کو تبدیل کر دیا۔ بہرحال مجھے دریافت کرنا چاہیئے۔

میں یونین میں گیا اور کئی اخبارات و تار پڑھے۔ جن میں یہ تعجب خیز خبر تھی کہ لندن میں تین ڈائنامیٹ پھوٹ گئے۔ شام کو مباحثہ کالج یعنی کالج ڈیبیٹ میں شریک ہوا۔ کام کے بعد عہدہ داروں کا انتخاب کیا گیا۔

اے ای شپلی سے ملاقات کی جن کا مزاج کسی قدر ناساز ہے۔

۲۵۔ جنوری | آج پلیٹوز ریپبلک کو میں نے پڑھا جس کا انگریزی ترجمہ ڈیوس اور وان نے کیا ہے۔

کس وارا کر مجھ سے ملنے آئے اور قریب ۴ ساعت ۱۵ دقیقہ کے میں سر رولنڈ ولیڈی سے ملنے کو گیا اور چائے نوشی تک وہاں ٹھہرا مسس ہگس آف نیونہم (جنکو میں مس آدمس جانتا تھا اور جو فطرتاً سائنٹسٹ (علوم طبیعات دان) ہیں اور ایک اور شخص اُسی مدرسہ کے وہاں موجود تھے۔ اور بعد چاء نوشی کے کچھ تجربے ہم نے کئے جن میں سے دو میں کامیابی ہوئی۔ لیکن وہ آسانی سے بیان کئے جا سکتے ہیں۔ میں اپنا ڈنر ہال کا وقت بھول گیا اور اس وجہ سے مجھے کھانے کے لئے بروڈٹ کے ہوٹل جانا پڑا۔ اس کا خرچ کسی قدر زیادہ یعنے ۸ شلنگ ہے۔

۲۵۔ جنوری | ۸۔ ساعت ۱۵ دقیقہ پر میں عنایت اللہ کے مکان پر مجلس میں گیا اور تقریباً ۱۰ ساعت ۴۵ دقیقہ تک وہاں رہا۔ اس کے بعد اپنے مکان واپس آیا۔ ایک جدید ممبر موٹا بھائی منتخب کئے گئے جو بلحاظ قومیت کے پارسی ہیں اور فی الحال کوئنس کالج کے ممبر ہیں وہ کاؤنڈلیش سے جہاں وہ گذشتہ ٹرم میں داخل ہوئے تھے چلے آئے ہیں۔

۲۶۔ جنوری | آج میں سر رولینڈ ولسن کا لکچر سننے کے لئے گیا جو قانون فوجداری ہند کے متعلق تھا اور جس کا وقت ۹ سے ۱۱ بجے تک تھا۔ بعد ازاں واسٹی لائبریری کو گیا اور گوڈیوس ولڈ پراپرٹی کے کچھ اجزاء دیکھے۔ ولیم کی جو کتاب اسی مضمون پر ہے اس سے یہ بہت عمدہ ہے۔ سہ پہر کو مسز پروتھرو کے مکان پر گیا۔ خوش قسمتی سے وہ مکان پر ملیں اور ان سے چائے نوشی کے وقت تک خوب باتیں ہوتی رہیں

۲۷۔ جنوری | آج شام کو یونین میں کرمیشن پر مباحثہ ہوا جو کرمیشن کے موافق تھا۔ لیکن تقریریں بہت عمدہ نہیں کی گئیں۔

۲۸۔ جنوری | آج میں سر آر۔ کے ولسن کا لکچر سننے گیا۔ بعد ازاں کتب خانہ کو گیا۔ گوڈیو کو پڑھا اور قانون فوجداری ہند پر بہت اچھی اچھی کتابیں دیکھنے میں آئیں جنکو وقتاً فوقتاً میں دیکھا کرونگا۔

پروفیسر سیلی صاحب کا لکچر سننے کو گیا جو انگلینڈس فارین پالیسی ان دی ایٹھ سنچری پر لکچر بہت اچھا تھا۔ وہاں سے گارڈنر صاحب کا لکچر سننے گیا جو یونانیوں کی خانگی زندگی پر تھا۔ لکچر بہت اچھا تھا۔ لیکن لکچرار صاحب بہت افسردہ معلوم ہوتے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مذاق کا لطف خود نہیں اٹھا سکتے۔

۲۹۔ جنوری | آج شام کو میں سر آر۔ کے۔ ولسن کے مکان پر کون کا ایک مضمون سننے کے لئے گیا۔ یہ میرے اس زمانے کے ملاقاتی ہیں۔ جبکہ ہم رن اور گرنی کے ہاں بھرتی تھے۔ وہ کاغذ انڈین سول سروس ڈیبیٹنگ کلب کے ہفتہ وار جلسہ میں پڑھا گیا تھا جس میں مجھے سر آر ولسن نے ازراہ مہربانی بلایا تھا۔ اس پرچہ کا مضمون "وارن ہیسٹنگ کا جرم" تھا۔ اس پرچہ کے پڑھنے والے اور درحقیقت تمام سول سروس کے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہیسٹنگ کا رویہ درست تھا۔ سر رولینڈ نے ایک عمدہ اسپیچ دی جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ہیسٹنگ کا رویہ قابلِ ملامت تھا۔ مجھے اس کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سر رولینڈ کی تقریر کا کچھ اچھا اثر ان لوگوں پر ہوا ہوگا۔ میں ۱۲ بجے واپس آیا۔

۳۰۔ جنوری | وطن کو خطوط روانہ کئے اور اب کے مرتبہ اپنے منشا سے جو کیمبرج

میں ڈگری حاصل کرنے کا تھا۔ اطلاع دی۔

سہ پہر کو پروفیسر سیلی کے کنفرسیشنل کلاس کو میں گیا۔ گذشتہ سال میں بھی کئی درجوں میں شریک ہوا تھا۔ چند مضامین لکھنے کا قصد ہے۔ میری مضمون نگاری کے لئے یہ اچھی چیز ہوگی۔

۳۱۔ جنوری | آج صبح کو ای۔ ایس اولیور میرے یہاں اُس وقت آئے جبکہ میں ناشتہ کرنے کو بیٹھا تھا اور مجھ سے کہا کہ گذشتہ شب کو مول سائنس کلب نے مجھے سیکرٹری مقرر کیا ہے۔ مجھے یہ سُنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ جب مجھ سے دریافت کیا گیا تھا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کام اس قدر زیادہ ہے کہ میں سکرٹری کی خدمت نہیں انجام دے سکتا۔ لیکن اب چونکہ مجھے منتخب ہونے کی عزت حاصل ہو چکی ہے۔ اس لئے حتی الامکان کلب کی خدمت کرنی چاہیئے مجھے جلسہ کی کارروائی کی کتاب و صندوق ملگیا ہے۔

شام کو ۹ بجے اولیور کے ساتھ کافی پینے گیا اور دو بیویں وکیں و براین و اسٹوارٹ وغیرہم سے ملا۔

---

## رُباعی

اے رُعب خدا کے واسطے چھوڑ گناہ — بکمخت نہ کر نامۂ اعمال سیاہ
اللہ کا بندہ اور شیطاں کا مطیع — لاحول و لا قوۃ الا باللہ

رُعب شاہ آبادی

---

# تنہائی

تنہائی! تیرے احسانات دُنیا اور اہلِ دُنیا پر بیشمار ہیں۔ تو ہی نے منطق۔ فلسفہ اور علوم سائنس کو ترقی دی۔ تیری ہی صحبت میں شاعروں نے شاعری سیکھی۔ تیرے ہی گوشہ میں بیٹھکر اُنھوں نے خامہ فرسائی کی اور زورِ قلم کی داد دی۔ تیرے ہی کان سے انہوں نے دُرہائے مضامین عوام کی پسندیدگی کے لئے منتخب کئے۔ تو ہی نے انگریزی میں شیکسپیئر۔ ملٹن۔ ٹینیسن۔ فارسی میں فردوسی۔ سعدی۔ حافظ۔ اُردو میں انیس۔ دبیر۔ غالب ایسے شعرائے نامدار کو پیدا کیا۔ جن میں سے ہر ایک کا نہ مٹنے والا نام تاقیامت قدرشناسوں کی نظر میں آفتاب کی طرح روشن رہیگا۔ یہ تیری ہی تعلیم کا کرشمہ ہے کہ نیچر پرستوں نے ایک ایک پتی ایک ایک درخت سے ہزاروں پند سیکھے۔ چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب کبھی کسی کو کوئی بہت ہی مشکل مقدمہ حل کرنا ہوتا ہے تو وہ تجھی سے مشورہ لینے آتا ہے۔ ہر جگہ سے مایوس ہوکر وہ تیرے ہی دروازہ پر سر رگڑتا ہے اور آخر الامر صرف تیری ہی مدد سے اپنے مقصد کو پہنچتا ہے۔ کوئی زمانہ کا ستایا۔ مصیبت کا مارا عاشق ناکام و نامراد جب حد سے زیادہ بیچین و مضطر ہوجاتا ہے اور ناصح کے پند و نصیحت۔ اغیار کے طعنوں ہم نشینوں کی چھیڑ چھاڑ سے دق ہوجاتا ہے تو تیرے گوشہ میں آکر پناہ

لیتا ہے۔ اور تیری ہی صحبت میں اُسے کچھ تسکین حاصل ہوتی ہے۔ تو ہی اس کے حالِ زار پر مہربان ہو کر تصویرِ جاناں اس کے خیال کے سامنے کھینچ دیتی ہے جس کے نظارہ سے اُس کے دل کو کچھ چین آجاتا ہے۔ تیری ہی نوازش سے عالمِ خیال میں وہ اپنے محبوب اور آرامِ جاں سے دو چار باتیں کر کے اپنے دلِ ناشاد کو خوش کر لیا کرتا ہے اور جب کبھی نہایت ہی بیتاب و بیقرار ہو جاتا ہے۔ تو تیرے ہی پردہ میں عوام کی نظروں سے پوشیدہ اپنی بدقسمتی پر چار آنسو بہا کر دل کی کچھ بھڑاس نکال لیتا ہے۔

شہر اور آبادی کی زندگی کا کوئی لمحہ خطرے سے خالی نہیں لیکن تنہائی! تیری صحبت کی زندگی ہر قسم کے خطرات و تفکرات سے مبرا ہے۔ نہ چور کا ڈر نہ ڈاکو کا خوف۔ بھلا درویش کے پاس دھرا ہی کیا ہے۔ جو کوئی لیگا۔ اپنی جان۔ اُس کے آنے جانے کا غم ہی نہیں۔ کیا خوب مصرع ہے ع

ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را

وہ تارک الدنیا درویش جنکی طبیعت دُنیائے فانی اور اس کی عیاریوں سے ہٹ جاتی ہے اور جو اس کے چند روزہ عیش و عشرت سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں آرام پاتے ہیں اور تجھی میں ابدی راحت محسوس کرتے ہیں۔ تیری ہی پاک صحبت میں اُن کا آئینۂ دل ہر قسم کی کدورت سے صاف ہو جاتا ہے۔ جس میں وہ جلوۂ حقیقی دیکھتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں اور شاید تیری ہی نصیحتوں سے متاثر ہو کر کوئی گنہگار اپنے گناہوں سے تائب اور اپنے جرائم پر پشیمان ہوتا ہے۔

تیری ساری خوبیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ تجھ میں پند و نصائح کوٹ کوٹ کر قدرت نے بھر دیئے ہیں۔ اگرچہ تو خاموش ہے

لیکن تیری خموشی میں اخلاقی تقریریں بھری ہیں۔ تو بے زبان ہے لیکن زبانِ حال سے عجیب و غریب داستانیں بیان کرتی ہے۔ جنہیں صرف روشن ضمیر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تجھ میں عجیب عجیب راگ ہیں جو عوام کو سُنائی نہیں دیتے۔ تیرے دلکش ترانوں کو وہی سُن سکتا ہے جو گوشِ حقیقت نیوش رکھتا ہو۔ تیری خوبیوں اور دلفریبیوں کا وہی نظارہ کر سکتا ہے جو چشمِ بصیرت رکھتا ہو۔ تیرے مخفی رازوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حقیقت نما ہے۔ تجھ میں جس نے جو تلاش کیا پایا۔ تو درویشوں کے لئے آرام۔ گنہگاروں کے لئے راہِ نجات۔ شاعروں کے لئے بحرِ معنی اور عاشقانِ نامراد کے لئے تسلی ہے +

عبدالحی خاں پٹنہ کالیجیٹ اسکول

---

**آئینۂ شوق** منشی جگناتھ پرشاد صاحب شوق نگم دہلوی زبانِ اُردو کے اُن قدردانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خونِ دل اور ہوائے دماغ سے اس زبان کی کھیتی کو سینچا اور لہلہایا ہے۔ حال میں آپ نے اپنے نتائجِ افکار منظومہ کا مجموعہ "آئینۂ شوق" کے نام سے اُردو دان پبلک میں پیش کیا ہے۔ اور اُسکی ایک کاپی ہم کو ریویو کیلئے ارسال فرمائی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس دیوان میں ایک فطری شاعر کے دلنشین کلام کا بہت ہی پیارا مجموعہ موجود ہے۔ اور مذاقِ سخن رکھنے والے اصحاب اس سے چاشنی گیر ہو سکتے ہیں۔ زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ مصنف چھپوانے والے۔ چھاپنے والے۔ اور چھاپنے کی تحریک کرنیوالے یہ تمام اصحاب ہماری ہندو بھائی ہیں جنکو آج بہت زیادہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی ترقی دینے کا خیال ہے۔ اور وہ اسبارہ میں مسلمانوں کے مخالف تصور کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے اور ہر منصف مزاج مسلمان اہلِ قلم نے بہت مرتبہ اسبات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوؤں میں ابھی اکثر بلکہ بیشتر اصحاب زبانِ اُردو کے سچے حامی اور ہمدرد پڑے ہوئے ہیں۔ اور رہینگے۔ وہ اسکو خاص اپنی ملکی زبان جانتے اور مانتے ہیں اور اسکی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ شوق دہلوی بھی انہیں بزرگوں میں سے ہیں۔ اور آپنے

اس دیوان کی قیمت صرف سے فی روپیہ ۲ ہے۔ ہندو یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی کے سرپرستوں کے چندہ میں دینے کا اعلان کیا ہے۔ قیمت کتاب علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ ہے۔ دلی مخلصین پیش ہیں۔ جلد قیمت بھیجدیں۔ جلد قیمت بھیجدیں۔ ہم ملکی بھی ہے +

# آفتاب کے سیاہ دھبے

یورپ کے حکما و اعنہائے آفتاب کا راصد اوّل حکیم اندلس ابن رشد کو بتاتے ہیں۔ کہ اُس نے ۱۱۶۱ء میں آفتاب پر سیاہ داغ دیکھا۔ عجب اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں عربی کتابوں میں یہ ذکر نہیں دیکھنے میں آیا۔ شرح مواقف میں اتنا اشارہ ہے کہ قد زعم بعض الناس ان فی وجہ الشمس نقطۃ سوداء فوق مرکزہ بالقلیل ابن رشد و شارح مواقف کا زمانہ دوربین کے ایجاد ہونے سے بہت پیشتر ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض داغ آفتاب کے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ بغیر دوربین کے دکھائی دیتے ہیں شرح مواقف میں ایک قول یہ بھی دیکھنے میں آیا ومنہم من ادعیٰ انہٗ رای الزھرۃ و عطارد کشامتین علی صفحۃ الشمس یعنی بعض متاخرین نے ادعا کیا ہے کہ اس نے زہرہ و عطارد کو آفتاب پر اس طرح سے دیکھا جیسے کسی رخسار پر دو تل ہوتے۔ مگر حسب تحقیق جدید یہ امر ممکن الوقوع نہیں کہ زہرہ و عطارد ایک ہی وقت میں آفتاب پر سے گذریں۔ مسٹر جیمس نے کتاب الہیئۃ جلد اول میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ زہرہ کا مرور آفتاب پر جون یا دسمبر کے سوا کسی دوسرے مہینہ میں نہیں ہوتا۔ اور عطارد کا مرور نومبر اور مئی کے سوا کسی اور مہینہ میں نہیں واقع ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک وقت میں آفتاب پر سے مرور نہیں کر سکتے۔ اس شخص نے بھی آفتاب کے داغ کو دیکھا تھا جس کو زہرہ یا عطارد سمجھا۔ عطارد بہت کم دکھائی دیتا ہے اور اکثر آفتاب کے قریب ہی رہتا ہے۔ لوگ اس کے مشتاق

رہتے ہیں۔ اِس سبب سے مسٹر چیمبرس کی کتاب سے اُنیسویں صدی میں جس ترتیب سے عطارد نے آفتاب پر سے مرور کیا ہے مَیں پہلے اُسکی تفصیل نقل کر دیتا ہوں۔ تا اُسی ترتیب سے اس بیسویں صدی کی زیج بھی ہم بنا سکیں۔ اور عطارد کو آفتاب پر سے گذرتے ہوئے دیکھ سکیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| انیسویں صدی میں پہلی دفعہ | نومبر ۱۸۰۲ | میں | عطارد نے آفتاب پر سے | مرور کیا |
| اس کے تیرہ برس بعد | نومبر ۱۸۱۵ | " | " | " |
| اِس کے سات برس بعد | نومبر ۱۸۲۲ | " | " | " |
| اس کے دس برس بعد | مئی ۱۸۳۲ | " | " | " |
| اس کے تین برس بعد | نومبر ۱۸۳۵ | " | " | " |
| اس کے دس برس بعد | مئی ۱۸۴۵ | " | " | " |

یہ تینتالیس سال کا دَورہ ختم ہونے کے بعد پھر وہی سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اِس کے تین برس کے بعد | نومبر ۱۸۴۸ | میں | مرور عطارد آفتاب پر سے | ہوا |
| اِس کے تیرہ برس کے بعد | نومبر ۱۸۶۱ | " | " | " |
| اس کے سات برس کے بعد | نومبر ۱۸۶۸ | " | " | " |
| اِس کے دس برس کے بعد | مئی ۱۸۷۸ | " | " | " |
| اس کے تین برس کے بعد | نومبر ۱۸۸۱ | " | " | " |
| اِس کے دس برس کے بعد | مئی ۱۸۹۱ | " | " | " |

غرض ہر ۴۳ سال میں چھ دفعہ اسی ترتیب سے مرور ہوا کرتا ہے۔ یعنی نومبر نومبر نومبر مئی نومبر مئی اسی ترتیب کے بموجب انیسویں صدی کا آخری مرور۔

اِس کے تین برس بعد نومبر ۱۸۹۴ میں ہوا اور

بیسویں صدی کا پہلا مرور۔
اس کے تیرہ برس بعد نومبر ۱۹۰۷ میں ہوا۔
اور اب اس کے سات برس بعد نومبر ۱۹۱۴ میں ہوگا۔
وَنَحْنُ بَحْرًا۔

غرض کہ زہرہ و آفتاب کے اجتماع کے مہینے عطارد و آفتاب کے اجتماع کے علاوہ ہیں۔ بعض متاخرین کا یہ قول کہ میں نے زہرہ و عطارد کو آفتاب پر سے ساتھ ہی گذرتے دیکھا ہے جیسا کہ شارح مواقف سید علامہ نقل فرماتے ہیں۔ کسی طرح ممکن الوقوع نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دو سیاہ تل رخسارۂ آفتاب پر جو اُسے دکھائی دیئے اُن میں سے ایک ستارہ تھا اور ایک داغ آفتاب کا تھا۔ اِس سبب سے کہ دونوں ستارے تو ہو نہیں سکتے۔ جس کی دلیل بیان ہوئی۔ دونوں داغ بھی نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے کہ ہیئت جدیدہ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی آدھ داغ اِتنا بڑا ہوتا ہے کہ بغیر دوربین کے دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے دیکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شیشہ کے پرکالہ پر کاجل پار کر اس میں سے آفتاب کو دیکھیں۔ دوسری یہ کہ اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے شعاعِ آفتاب کی جو مدوّر ہو کر دیوار پر پڑے اس عکس میں بھی وہ دھبہ دکھائی دے سکتا ہے مگر اُلٹا دکھائی دیگا۔ یعنی اگر آفتاب کے مشرقی جرم میں ہے تو مغربی حصہ میں نظر آئیگا جس کی وجہ علم مناظر کے جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

جب سے دوربین ایجاد ہوئی آفتاب میں متعدد داغ نظر آنے لگے کہ مشرقی کنارہ سے نکل کر مغربی کنارہ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یہ حرکت جب صعودی یا نزولی ہوتی ہے تو صاحب رصد کو بطی معلوم ہوتی ہے۔ جب ذروۂ آفتاب کے

قریب وہ داغ پہنچتا ہے تو اُس کی اصلی حرکت معلوم ہوتی ہے - جو بہ نسبت حرکت صعودی و نزولی کے سریع ہے - اور تقریباً تین دن میں ایک داغ شرقی کنارہ سے مغربی کنارہ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اتنے ہی زمانہ تک آفتاب کے دُوسرے رُخ پر ہماری نظر سے غائب رہ کر مشرقی کنارہ سے دُوبارہ نمودار ہوتا ہے -

اہل رصد کو پہلے یہ اشتباہ رہا کہ یہ داغ جرم آفتاب سے خارج کوئی جسم ہے جو اس کے گرد گردش کر رہا ہے - مگر جب کئی داغ ساتھ ہی دیکھے اور یہ دیکھا کہ اُن کی حرکت میں اور باہمی فاصلوں میں تناسب باقی رہتا ہے - تو یہ اشتباہ رفع ہوگیا - اور یہ امر ثابت ہوا کہ یہ سب داغ خود جرم آفتاب میں ہیں اور اس کی حرکت علیٰ نفسہا کرنے کی دلیل بیّن ہیں - جس کا زمانہ ۲۵ ½ دن کا ہے - عجیب بات یہ ہے کہ یہ حرکت وضعی آفتاب کی جو داغوں کے مرصود کرنے سے ثابت ہوتی ہے - جس رُخ پر اور جس سطح پر پائی جاتی ہے تمام سیارات کی حرکت سالانہ تقریباً اسی رُخ پر اور اسی سطح میں نظر آتی ہے -

کانٹ جو مشاہیر اہل رصد میں سے ہے اُس نے اس سے قیاس کیا ہے کہ کسی زمانہ میں آفتاب و سیارات سب مل کر ایک جسم واحد تھے اور اُسی زمانہ سے مبدء میل مستدیر ان سیارات میں ایک ہی معیّن رُخ پر اور ایک ہی معیّن سطح میں حرکت کرنے کا موجود ہے -

آفتاب و سیارات کے ایک جسم متصل واحد ہونے کی تائید ایک جدید مسئلہ کے انکشاف سے بھی ہوئی - جسے واشنگٹن کے ایک حکیم مسٹر موگن نے ۱۸۷۰ء میں مشتہر کیا - وہ مسئلہ یہ ہے کہ جتنے اجسام بشکل دخان پائے جاتے ہیں - جوں جوں اُن کی حرارت کم ہوتی جاتی ہے اُسی قدر جسامت بھی گھٹتی جاتی ہے - لیکن جسم کے سمٹ جانے سے حرارت پہلے سے بھی زیادہ

پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب جسمِ سیّال یا منجمد ہو جائے تو یہ خاصہ زائل ہو جاتا ہے۔

اِس مسئلہ کے امتحانات کے بعد یہ استدلال کیا گیا کہ آفتاب چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے اس کے جرم میں تکاثف واقع ہوتا ہے۔ حرارت اس کی بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں اس کا جرم بہت بڑا تھا۔ یہاں تک کہ نظامِ شمسی کی ساری فضا اِس سے بھری ہوئی تھی۔ اور آفتاب و سیارات یہ سب مل کر بشکل لُطخہ سحابیہ ایک جسم متصل واحد تھے۔

ان داغوں کی حرکت کا رُخ اکثر ہم کو بدلا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن داغوں کی حرکت میں دراصل یہ تغیر نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے دیکھنے کا رُخ بدلتا رہتا ہے۔ یعنی زمین اپنی گردش سالانہ میں کبھی آفتاب کے اس رُخ پر آجاتی ہے۔ کبھی اس رُخ پر۔

مگر کسی زمانہ میں آفتاب پر متعدد داغ دکھائی دیتے ہیں۔ اور کبھی مہینوں ایک بھی نظر نہیں آتا۔ اس کی لِم دریافت کرنے میں اہلِ رصد کو ڈھائی سو برس سے زیادہ ہوئے۔ اکثر لوگوں نے داغوں کی روزانہ رصد لینے میں اپنی عمریں صرف کیں۔ اور ہنوز قابلِ وثوق کوئی ضابطہ ہاتھ آیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ برس اکتالیس دن میں داغہائے آفتاب کا سلسلہ ختم ہو کر نئے سرے سے پھر شروع ہوتا ہے۔ اور یہی مدت قطب نما کی سوئی کے انحرافات کی ہے۔ یعنی نقطۂ قطب سے سوئی کا انحراف جہت مشرق و مغرب میں ایک خاص ترتیب سے ہوا کرتا ہے۔ اس کا سلسلہ بھی اتنے ہی زمانہ میں ختم ہو کر پھر نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں آفتاب کے داغوں میں کمی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں سوئی میں انحرافات کم ہوتے ہیں لیکن ان دونوں میں کیا تعلق ہے۔ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

علی حیدر طباطبائی

# کلامِ اکبر

ہم کمال امتنان کے ساتھ اپنے مخدوم جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کا مندرجہ ذیل تازہ کلام چھاپتے ہیں۔ جو انہوں نے ایک تازہ عنایت نامہ کے ہمراہ ارسال فرمایا ہے:۔

مشرقی کو ہے ذوقِ روحانی — مغربی میں ہے میلِ جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

---

جہاں اٹھی نظر نافذ ہوا قانونِ فطرت کا — نظر نیچی رہے یہ وعظ اصلی ہے شریعت کا
فرشتے پوچھتے ہیں تو نے کیوں دیکھا ادھر اکبر — نہیں کہتے کہ کیوں عاشق ہوا اس بت کی صورت کا
میں کہتا ہوں انہیں نے غل مچا کر آنکھ اٹھوائی — مرا سودا نتیجہ ہے فقط ارشادِ حضرت کا

---

کیا کام ہمیں اوولیوشن سے نیچر سے ہمیں کیا حاصل ہے
بندر کی ترقی آساں ہے نیٹو کی ترقی مشکل ہے

---

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے شرقی غنیمت ہے — دے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

---

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں — کہ اکبر ذکر کرتے ہیں خدا کا اس زمانے میں
انوکھے ہیں مشاغل حضرتِ اکبر کے ان دنوں — الٰہ تزکیف بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیلخانے میں

# گذشتہ زمانے کی یاد

کوئی ایسا زمانہ تھا کہ ہمدم یار تھا اپنا
کبھی ہم اُس پہ مرتے تھے۔ کبھی وہ ہم پہ مرتا تھا
ہمیشہ بزم میں چلتا تھا دورِ ساغر و مینا
نہ اب باقی ہے وہ صحبت نہ وہ جلسہ مسرت کا

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

بہارِ کامرانی کی ہوائیں تھیں رواں ہر سو
کیا کرتا تھا دلجوئی ہمیشہ وہ بُتِ دلجو
دلِ ناشاد تھا اپنا اسیرِ حلقۂ گیسو
رہا کرتا تھا ہم سے راتدن افسوس ہر پہلو

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

چلے آتے تھے ہم محفل میں تیری۔ او بُتِ خودسر
نہ کھٹکا تھا کسی حاجب کا۔ اور نے پاسباں کا ڈر
رہا کرتے تھے یوں پہلو بہ پہلو تجھ سے مل جاکر
کہ جسکو دیکھ کر تڑپا کیا کرتے تھے غیر اکثر

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

تھے تیری چاہ میں ڈوبے ہوئے اے یوسفِ ثانی
نہ غم اس کا تھا پلوائیگی تیغِ غم ہمیں پانی
یکایک بیٹھے بیٹھے مول لی ہم نے پریشانی
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

سمجھتے تھے تجھے اپنا رفیق و مونس و ہمدم
رُخِ زیبا پہ تیرے جاں کو کرتے تھے فدا ہم
جو ہوتی یہ خبر اک روز ٹوٹیگا سپہرِ غم
تری راہِ محبت میں قدم دھرتے نہ ہرگز ہم

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

سمجھکر آئے تھے ہم باوفا - "او بیوفا تجھ کو" مگر ہے ہے نہ کچھ بھی پاس اُلفت کا رہا تجھ کو
رقیبوں سے رہا کرتی تھی نفرت ہی سدا تجھ کو خیال اُن کی محبت کا ہی اب حد سے سوا تجھ کو

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

چھٹی صحبت وہ تیری دم میں یوں ای گلعذار آخر کہ آئی بھی نہ تھی اور ہو چکی فصل بہار آخر
ہماری خواہش دل کا نہ پھولا لالہ زار آخر نہ تھا معلوم - ہوگا ہائے کیا انجام کار آخر

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

نہ ہوتے ہم تجھے دیتے تھے نظروں سے جدا دم بھر رحیم شیفتہ کی تھی فدا جان حزیں تجھ پر
مگر اب سوزش فرقت نے کر رکھا ہے دل میں گھر بنا ہے حلقہ زنجیر پا تقدیر کا چکر

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

بتائیں کیا کہ وہ گل پہلو کیا تھا اور کیا نکلا غضب کا سنگدل - بیمہر - ظالم - پُر دغا نکلا
سمجھتے تھے جسے ہم آشنا - نا آشنا نکلا وفا کی جس سے ہم کو تھی توقع بیوفا نکلا

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

محمد عبد الرحیم رحیم (دلاور گنج) حیدرآباد دکن

# کلامِ عزیز

## دُنیا کی ایک مثال

(مقتبس از خیالاتِ سُقراط)

کیا ہے یہ دُنیائے دُوں؟ اک آتشِ افروختہ
لے مدد حسبِ ضرورت اس سے اے دِل سوختہ

شعلۂ جانسوز روشن ہیں میانِ شاہراہ
غیر ممکن ہے کہ قُربت میں ملے تجھ کو پناہ

جانتا ہوں میں کہ اس دُنیا سے تجھ کو لاگ ہے
ہوشیار اے جانیوالے یہ دہکتی آگ ہے

ہر شرارے میں ملیگی تجھ کو تاثیرِ فنا
اس کے ہر شعلے میں تو پائیگا تصویرِ فنا

اس کی قُربت سے بڑھیگا رات دن تجھ پر عذاب
بعد وصلت تو بھی ہوگا شعلۂ پُر پیچ و تاب

نقش بر آب آہ اس دُنیا کے ہیں نقش و نگار
جلتی پھرتی چھانو ہے یہ ہستی بے اعتبار

گرمیٔ بازار اس دُنیا کی بس کچھ روز ہے
دوزخ آشام اس کا ہر اک شعلۂ جانسوز ہے

جل رہے ہیں جلنے والے زندگی بیکار ہے
عشق میں دُنیا کے دِل پروانۂ آتشخوار ہے

راستہ چلنے کو جتنی روشنی درکار ہے
فائدہ حاصل کر اُتنا ورنہ تو فی النار ہے

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

---

# جونپوری خربزہ

سردے کابل کے کھا کے دیکھے
چتلے بھی لکھنؤ کے چکھے

پر دو نوع جونپور کے پھل
ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل

کھائے اِک قاش تو ہوں لب بند — پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند
سبزے کی وہ قاشوں میں نمائش — دیکھا کرو آنکھ کی یہ خواہش
قاشیں ہیں سفیدے کی وہ شفاف — کوزے مصری کے جس طرح صاف
بھینی بھینی وہ میٹھی خوشبو — ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو
دولت کی چاٹ کہہ رہی ہے — لذّت کی زبان جوہری ہے
اس کھیت کا ہے عجیب پانی — جذب اس میں ہے آب زندگانی
مرکز ہے بشیر پور[1] مشہور — ہے شہر سے یہ مقام کچھ دور
اس کاشت کو یہ زمیں ہی کیسر — کیا آب و ہوا کی کہئے تاثیر
کھیت اور بھی یوں تو جابجا ہیں — شکل ایک مگر مزے جدا ہیں
صورت کو نہ دیکھئے پھلونکی — سیرت کی ملاحظہ ہو خوبی
صورت تو نہیں ہے خوبصورت — سیرت کی فقط ہے قدر و قیمت
جو لطف و مزے ہیں کہئے کس سے — چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

---

# کوچۂ یار

## قطعہ

بڑے شوق سے بھیجتا ہوں میں قاصد — رہیگی نظر راہ پر۔ دیکھ لینا
نہ تو خیر سے پھر کے آئے گا جب تک — نہ ٹھہرے گا دل تے جگر دیکھ لینا

---

[1] نام موضع جہاں خربوزے کی زیادہ کاشت ہوتی ہے ۱۲

پتا کوئے قاتل کا بتلا دوں تجھ کو
جو کہتا ہوں میں ڈھونڈھ کر دیکھ لینا

پڑے ہر جگہ پر ہیں ٹکڑے جگر کے
تڑپتے ہیں دل خاک پر دیکھ لینا

کہیں خاک اُڑاتے ہیں گیسو کے الجھے
کسی کا ہے دم ہونٹوں پر دیکھ لینا

کوئی ہوگا اینڈی رگڑتا زمیں پر
کسی کا عدم کو سفر دیکھ لینا

کہیں چاک دامن کئے ہیں ہزاروں
کھڑے ہیں کہیں بخیہ گر دیکھ لینا

کوئی شامِ غم میں گرفتارِ اُلفت
کسی لب پہ آہِ سحر دیکھ لینا

خراشوں سے سینہ گلستاں کسی کا
کوئی گل ہے داغِ جگر دیکھ لینا

ہلا دینگے دل تیرا نالے کسی کے
کسی کی فغاں بے اثر دیکھ لینا

کوئی ہوگا دھونی رمائے وہاں پر
کسی کو کھڑے ننگے سر دیکھ لینا

نہ کھانے کی سُدھ بدھ۔ نہ پانی کی پروا
غذا اب کی خونِ جگر دیکھ لینا

کہیں ہڈیاں طائرِ نامہ بر کی
کسی جا کبوتر کے پر دیکھ لینا

یہ ساماں گلی میں۔ وہ کوٹھے پہ ہونگے
پھری ہوگی سب سے نظر دیکھ لینا

لحد ایک حسرت بھری عین در پر
لکھا شعر یہ لوح پر دیکھ لینا

تجھے اپنی آنکھوں کی سوگند قاتل
مری قبر روز اک نظر دیکھ لینا

صفیر بلگرامی

---

## رُباعی

اب ذکرِ شباب ہے کہانی افسوس
آگے قدر اس کی کچھ نہ جانی افسوس

لو! نقشِ قدم تک نہیں ملتے ہیں صفیر
کن پاؤں چلی گئی جوانی افسوس

# چولی دامن

یعنی

## (ہندو مسلمان)

چولی نے کہا کرشن اے دامن — تو مَن ہے اگر تو میں سوا مَن!
میری منزل ہے تجھ سے بالا — زینہ نہیں بام[1] ہونے والا
چھاتی سے لگی ہوں میں کسی کی — چھاتی پہ چڑھی ہوں آدمی کی
مجھ پر ٹکتے ہیں بیل بوٹے — تو کانٹوں میں جا کے الجھے
سینے پہ کسی کے تو چڑھ آئے — ایسی چھاتی کہاں سے لائے؟
تیری آئے دامن اصل کیا ہے — تو بھیک[2] کا ایک ٹھیکرا ہے
تو میرے سہارے پر کھڑا ہے — پھر بھی تو ہوا میں اُڑ رہا ہے؟
ہے میرا دماغ آسماں پر — ہے سمتِ زمیں جھکا ترا سر
پستی کی طرف ہے راہ تیری — نیچی ہے نگاہ تیری
اترا نہ تو سر اُٹھا اُٹھا کر — اے سرافگن خدا خدا کر
پتھر کے تلے اگر تو دب جائے — تیرا فخر و غرور سب جائے
تو کام چلائے مانگے تانگے — تجھ کو پھیلا کے بھیک مانگے
مجھ پر ٹکتے ہیں عطر سارے — پھرتے ہیں گدا تجھے پسارے
سمجھا میرا وقار جانا! — اب آگے مرے نہ سر اٹھانا!

---

[1] کوٹھا۔ [2] "بھیک کا ٹھیکرا" یہاں صرف کاسۂ گدائی سے مراد ہے ۱۲

چولی کی سُن کے بولی ٹھولی — دامن نے کہا کہ سُن لے چولی!
مجھ سے نیچی ہو تو کہ اونچی — ہے میرے بغیر ننگی بوُنچی!
دامن ہی اگر نہ ہو۔ اے سنڈی[1] — بن جائیگی انگرکھے سے بنڈی[2]
ہاں۔ چولی نہ ہو تو کیا ہے دامن — جب من ہی نہیں تو کیا سوامن
زینہ نہ اگر کوئی بنائے — تو بام پہ کس طرح سے جائے؟
برچھی ہے جو تو۔ تو میں انی ہوں — تو چاند تو میں بھی چاندنی ہوں
تو دھوپ اگر۔ تو میں ہوں سایہ — تو گھر ہے اگر تو میں ہوں پایہ!
ہم دونوں۔ بدن کے کارکن ہیں — دونوں میں رفاہیت کے گُن ہیں
جو ایک توے کی ہو گی روٹی — کیسی چھوٹی وہ۔ کیسی موٹی؟
جس شخص نے سر زمیں پہ ڈالا — ہے عرش تک اُس کا بول بالا
اپنی خوبی سُنائی تو نے — اب میری بھلائیاں بھی سُن لے
غنچہ کھلتا ہے زیرِ دامن — سایہ ملتا ہے زیرِ دامن
جس کو جانا ہے جس نے دامن[3] — چھوڑا نہیں اُس نے اُس کا دامن
مجھ سے ہے وقارِ عصمتِ زن[4] — ہوتی ہے عفیفہ "پاک دامن"!
کہتے ہیں بیٹی دے کے مردم — "دامن تلے ڈھانک[5] لو ہمیں تم"
غش کھائے ہوئے کو میں دوا دوں — پنکھا بن جاؤں اور ہوا دوں
دیتا ہوں نجات میں بلا سے — حافظ ہوں چراغ کا ہوا سے
معشوق پہ چلکے اُٹھا کے داماں — عشاق کے چاک ہوں گریباں
ہم تم ہوں ترقیوں سے توأم — مل جل کے رہیں جو دونوں باہم

---

[1] مُنہ زور [2] نیمہ [3] جائے پناہ [4] عورت [5] بیٹی والوں کا مقولہ ہے۔

اس نظم کا ہے مآل کیا خوب — طالب نے یہ دی مثال کیا خوب
ہیں ہند میں ہندو اور مسلماں — چولی - دامن - ہیں دونوں ہمراں
دونوں مصباح[1] ہند کے ہیں — دونوں یہ جناح[2] ہند کے ہیں
دونوں مل کر رہیں جو یکذات[3]
دن عید ہو شب برات ہو رات!

طالب بنارسی ایم ایم

# ملحد اور صوفی

ملحد تھا کل اک محفل احباب میں بیٹھا — باتوں میں جو کچھ آگیا واں ذکر خدا کا
بولا کہ اجی رہنے بھی دو بھی یہ کہانی — بیفائدہ جھگڑا یہ دیا چھیڑ کہاں کا
ہے ذات سزاوار اطاعت بھی کوئی یاں — سچ پوچھئے تو وہم ہے انسان کا خاصا
چھٹتے ہی لگا کرنے یہ اوہام پرستی — پیپل کبھی پوجا کبھی برگد کو سراہا
دریا کی پرستش کی کبھی کوہ کی تعظیم — طاعت میں بتوں کی کبھی گردن کو جھکایا
سورج کو سمجھ مسکن ارواح بندگاں — برسوں یہ سر عجز سے رگڑا کیا ماتھا
آخر ہوئی معلوم اسے اپنی حماقت — جب فطرت عالی نے کیا اپنا تقاضا
سمجھا کہ بہت بھول تھی اصنام پرستی — سر ایسوں کی طاعت میں جھکانا تھا زیبا
تب وہم نے ایجاد کیا پیکر موہوم — ہستی کا پتہ جسکی نہ رہنے کا ٹھکانا
لاہوت میں گاہے اسے قائم کیا بالذات — پیدائش دنیا میں گہے محو دکھایا
دکھلایا گہے عرش پہ مصروف کتابت — گہ عالم بالا سے سر طور اتارا

[1] چراغ [2] بفتح جیم - بازو [3] یعنی یکدل -

اب آپ ہی کہہ دیں نہیں کیا مضحکہ امیر
یہ حضرتِ انسان کا خود ساختہ قصہ

ہستی ہی نہیں جب کوئی احساس کے قابل
چہ جائے کہ مدعی اسے معبود کا رتبہ

باتیں ابھی کہنے کو تو باقی ہیں بہت سی
ہے مجھ کو مگر مدِ نظر پاسِ احبا

اتنے ہی پہ کرتا ہوں کفایت کو تر نہاں
کرنا کبھی اس طرح کے ایمان کا دعویٰ

---

تقریر تو آخر ہوئی ملحد کی رہا پر
سناٹا سا پہروں در و دیوار پہ چھایا

محفل میں تھے بیٹھے ہوئے اک حضرتِ صوفی
چہرے سے تھے آثارِ ریاضت کے ہویدا

ملحد کو کیا آپ نے نرمی سے مخاطب
اک شانِ فقیری سے لگے کہنے کہ بابا

ہم مانتے ہیں آپ کے یہ سارے دعاوی
کیا وجہ کہ خود ہم نے بھی یہ بھید نہ پایا

پر مجھ کو ذرا مشفقِ من اتنا بتانا
کچھ درک نہانی میں بھی ہے آپکو ملکہ

ملحد نے تبسم سے کہا واہ کہی خوب
حضرت کبھی ان باتوں میں یاروں کی نہ آنا

ہے غیر حواسِ خمسہ اور کوئی حسِ
دانا اسے ہرگز کوئی باور نہ کریگا

صوفی نے کہا منکرِ خورشید ہو گر بوم
کیا قابلِ تسلیم ہے پھر بوم کا دعویٰ

اچھا نہ سہی یہ پہ ہے اتنا تو مسلم
کامل نہیں ادراک حواسِ خمسہ کا

ایسی بھی تو اشیا ہیں کہ ہیں اصل میں موجود
پر ظاہری حسوں سے نہ احساس ہو انکا

ہیں دورِ فلک میں بہت اس طرح کے اجرام
کچھ جنکا پتہ آپ کی ہیئت نے نہ پایا

کیا اس سے یہ لازم ہے نہ محسوس ہو جو شے
ہم اس پہ سرے سے کریں اطلاق نفی کا

سچ بات تو یہ ہے کہ خدا گر نہ بھی ہوتا
مشکل تھا بہت اس کی نفی آپ سے کرنا

حالانکہ خلاف اس کے یہ جلوہ گہِ قدرت
ہے صاف گواہ صفتِ ہستیٔ اعلیٰ

اتنا تو بدیہی ہے کہ حرکت میں ہے جو چیز
لازم ہے کہ حرکت بھی اسے ہو کوئی دیتا

تو آنکھ اٹھا دیکھ ذرا منکرِ خلاق
کس طرح سے گردش میں ہے ہر ذرۂ دنیا

حرکت میں ستارے ہیں پہاڑوں کو ہے لرزش
اشجار کو جنبش ہے بہا جاتا ہے دریا

اٹھکیلیوں میں بادِ نسیم سحری ہے
ہے ابرِ سبز دوش ہوا کھیلتا اجاتا

کیا دیکھ کے یہ سب تجھے ہوتی نہیں حسرت
کیا اس سے بھی دل میں تیرے نہیں آتا

حرکت کے لئے جان کا ہونا ہے ضروری
بیجان کوئی جسم نہیں آپ سے ہلتا

دکھلائی نہیں دیتی اگر جان بظاہر
تو جسم کی حرکت سے سمجھ جان کا ہونا

ملحد نے کہا یہ تو ہے سب راست پہ قبلہ
اس سے تو ہوا کچھ بھی نہ اثبات خدا کا

اجسام کی حرکت تو ہے قوت کے سبب سے
گر آپ نے حرکت سے پتہ جان کا پایا

اس سے ہوا قوت ہی کا اثبات نہ کچھ اور
ہے یوں بھی یہاں مادہ قوت کے سوا کیا؟

جب تک کہ نہ ثابت ہو کوئی تیسری ہستی
کس طرح بھلا مان لیں ہم آپ کا کہنا!

صوفی نے کہا خیر بھلا یہ تو بتاؤ
کس طرح یہ سمجھیں کہ فلاں شخص ہے دانا

ملحد نے کہا یہ تو بہت دور کی وہ ہے
اے حضرتِ من اس میں ہے مشکل ہی بھلا کیا؟

جس شخص کی حرکات پسندیدہ نظر آئیں
بس سمجھو کہ رکھتا ہے وہ کچھ عقل سے حصہ

صوفی نے کہا ہائے صد افسوس کہ تم نے
با اینہمہ نقشِ قدمِ یار نہ پایا

گر عقل کا حرکاتِ پسندیدہ ہیں معیار
پھر تیسری ہستی کا یہ انکار ہے کیا؟

کیا حرکتِ اجسام میں ترتیب نہیں ہے؟
کیا عالمِ اسباب ہے بے واسطہ چلتا؟

کیا دہر یہ موجود ہے خود ذات سے اپنی؟
کیا عقل نہیں مادہ و قوت کے علاوہ؟

تو دیکھ ذرا غور سے اے مدعیٔ دہر
گر عقل نہ ہو جائے بگڑ دہر کا نقشا

اک بال برابر جو نظام اس کا بدل جائے
دم بھر میں ہو سب مادہ و قوت تہ و بالا

اور ظاہری احساس کی گر پوچھتے ہو تو
اُفتاد ہے عالم کی اسی طرح سے برپا

جتنی کوئی شے اشرف و اعلیٰ ہے جہاں میں
اتنی ہی وہ احساس بدیہی سے ہے بالا

جس طرح ہے روغن کی نہاں دوغ میں ہستی
یا جیسے کہ چقماق میں آتش کا شرارا

اصلی نہیں جو کچھ نظر آتا ہے بدیہی
معلول یہ سب ڈھونڈیں ہیں علت کا سہارا

اور یہ تو مسلّم ہے کہ کم پایہ بہ پایہ
معلول سے علت میں ہو اکرتا ہی مادہ

پس آخر کار ایسی اک علت ہی ضروری
بیچون و چگوں اور ہو مادے سے مبرّا

یہ علّتِ اول ہی ہی وہ پیکرِ موہوم
کہتے ہیں جسے لوگ خداوندِ تعالےٰ

اب خواہ اسے تم طور کی چوٹی پہ بٹھاؤ
یا سمجھو کہ ہے تختگہِ عرش پہ بیٹھا

پر اس کے لئے پہن زمیں وسعت افلاک
ایسے ہی ہے، جیسے کہ تمہیں ریگ کا ذرہ

نواب الدین نیاز کبوی

---

# ساقی نامہ

تکمیل مسلم یونیورسٹی کا جلسہ جو ۲۱ مئی ۱۹۱۱ء کو گیا۔ گورنمنٹ اسکول ہال میں ہوا جس میں پٹنہ سے جناب آنریبل مولوی مظہر الحق صاحب و آنریبل نواب سرفراز حسین خانصاحب و مسٹر سید حسن امام صاحب و مولانا سید شاہ محمد سلیمان صاحب قبلہ وغیرہم کا ایک ڈیپوٹیشن شرکتِ جلسہ کے لئے آیا تھا اُس میں یہ ساقی نامہ پڑھا گیا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ناظرینِ مخزن کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

## رباعی

قومی جلسوں میں خوش بیانی کبتک
لکچر اسپیچ و نوحہ خوانی کبتک

کرنا ہو تو کچھ جمع کرو چندہ بھی
ورنہ یہ جمع خرچ زبانی کبتک

# ساقی نامہ

ہاں وہ ساغر دے ابھی ساقی مے نوش مجھے
حبِ قومی کے سوا سب ہو فراموش مجھے
قوم پر اپنے فدا کر دے میرا جوش مجھے
اور آجائے عوض نشہ کے اک ہوش مجھے

مے پرستوں کا دل اے ساقی گلفام بڑھا
دیکھ وہ آئی گھٹا اس طرف ایک جام بڑھا

یاد ہے تجھ کو ہمارا وہ زمانہ ساقی
خم کا خم غیروں کی خاطر وہ لڑھانا ساقی
عبرت انگیز ہے اب میرا فسانہ ساقی
پھر میں ہو جاؤں وہی مے وہ پلانا ساقی

ہے دعا ساقی ہمیشہ تیرا دل شاد رہے
تیرا میخانہ علیگڈھ کا وہ آباد رہے

دے وہ مے جس سے کہ پیدا ہو حمیت دل میں
اور آجائے عوض نشہ کے غیرت دل میں
جب کہ آجائے وہی پہلی سی ہمت دل میں
پھر وہی ہم ہوں وہی قوم کی الفت دل میں

پیدا ہو جائے سرِ نو سے میری شان وہی
تب یہ ثابت ہو کہ ہم بھی ہوں مسلمان وہی

اور اک جام کوئی ایسا پلا دے مجھ کو
اپنی اس قوم کا دیوانہ بنا دے مجھ کو
رو رہا ہوں میں زمانہ سے سنا دے مجھ کو
مژدۂ قومی کوئی آج سنا دے مجھ کو

آج رندوں میں صبا جا کے پکار آئی ہے
سنتے ہیں پھر میرے گلشن میں بہار آئی ہے

ولولہ پھر یہ ہوا ہے وہی پیدا دل میں
شوق کا اُمڈا چلا آتا ہے دریا دل میں
آرزو سیکڑوں لاکھوں ہیں تمنا دل میں
کیا کہوں تجھ سے میں ساقی کہ ہے کیا کیا دل میں

ہے ارادہ کہ لگاؤں گلِ مقصد کا چمن
رشکِ گلزارِ جناں یعنی ہو سید کا چمن

یوں تو ہے غیر کا گلشن بھی بہت پھولا پھلا
غنچۂ دل میرا اس سیر سے لیکن نہ کھلا
دل پژمردہ اسی طرح ہے مرجھایا ہوا
راس آئی نہ مجھے غیر کے گلشن کی ہوا

پھول کیا توڑیں کہ بلبل کی ہے فریاد کا ڈر
خوف گلچیں کا کبھی ہے کبھی صیاد کا ڈر

ہے یہی اپنی تمنا ہے یہ ارماں اپنا
باغباں اپنا گل اپنا ہو گلستاں اپنا
باغ کا اپنے ہو پھول اور ہو خزاں اپنا
لطف جب ہے کہ ہو پورا سر و ساماں اپنا

دل نہ بحر غم گلچیں میں کبھی غرق رہے
آشیاں اپنا نہ مشق ستم برق رہے

ہم میں موجود ہے ساقی وہی اب بھی جوہر
آغا خاں سے کوئی پوچھے میری حالت جا کر
یاں یونیورسٹی کا لفظ تھا آنا لب پر
خیر مقدم کیا کس جوش سے ہم نے بڑھ کر

سنتے ہی ہند میں ایک دھوم مچا دی ہم نے
آگ اس سمت سے اس سمت لگا دی ہم نے

کون وہ صوبہ ہے جس جا نہیں چرچا اس کا
کون ہے شہر جہاں پر نہیں شہرہ اس کا
کون قصبہ ہے جہاں پر نہیں قصہ اس کا
کون سے گاؤں میں پہنچا نہیں مژدہ اس کا

جسکو ہمدردی نہیں اس سے وہ انساں ہے کون
آخر ش ہم بھی تو دیکھیں وہ مسلماں ہے کون

اس میں مفلس بھی ہیں اور صاحب دولت بھی شریک
اور ہیں سیکڑوں اصحاب ریاست بھی شریک
علما بھی ہیں بزرگوں کی جماعت بھی شریک
مختصر یہ کہ ہے اللہ کی رحمت بھی شریک

جب مددگار خدا بھی ہے تو دقت کیا ہے
اک یونیورسٹی ہو جائے تو حیرت کیا ہے

تم بھی کچھ رکھتے ہو اے ہل کیا اسکی خبر
قوم کا اپنے بھی آخر ہے کوئی حق تم پہ
دیکھیں ہو تم سے ہو سبکدوش تم اس سے کیونکر
ہے تمہاری ہی طرف آج علیگڈھ کی نظر

دیکھیں اس کام میں کس طرح سے کد کرتے ہو
کس قدر آج تم آپ اپنی مدد کرتے ہو

اب تو یہ رکتا ہوا کام نہیں آتا نظر
اب یونیورسٹی بے شبہ رہیگی ہو کر
چاہیے اہل گیا تم کو خیال اس کا مگر
قومی الزام نہ رہجائے کہیں گردن پر
سر فدا کر دو اگر پاس اک حبہ نہ رہے
ہاں مگر دامنِ غیرت پہ یہ دھبہ نہ رہے

انجم از گیا

---

# فغانِ سخن

مرحبا اوجِ بے نشانِ سخن
لامکاں بنگیا مکانِ سخن

لوحش اللہ ترقی معکوس
ہیں تہ خاک آسمانِ سخن

تو نے لب بند کر دیئے سب کے
حبذا لذتِ بیانِ سخن

ہو گئے اک جہاں کے دل ٹھنڈے
تجھ سے اے باغ بیخزانِ سخن

کر دیا تو نے آج صمٌ بکمٌ
نالۂ صور بیفغانِ سخن

رفتہ رفتہ بنی زمانے میں
خواب گونگے کا داستانِ سخن

بنگئے آئینہ سرِ دیوار
طوطیانِ شکر لبانِ سخن

دم بخود مثلِ پیکرِ تصویر
بلبلانِ غزلستانِ سخن

لحن داؤد سے ترے دم خشک
ہو گیا بحرِ بیکرانِ سخن

تیرے اعجاز موسوی سے ہوئے
تہ نشیں گنج شایگانِ سخن

ایک موجِ مسیح دم سے تیری — اُڑ چلا جسمِ بے روانِ سخن
آخر آخر جہاں قرار لیا — لُٹ گیا وُہ بھی کاروانِ سخن
جس میں لاکھوں تھے قافلہ سالار — اور اتنے ہی پاسبانِ سخن
جس کے شاہانِ قوم سب ہمدرد — حکمراں جس کے حکمرانِ سخن
خضر رہ جسکے پیشوائے طریق — اہلِ اقوام رہروانِ سخن
قوم کی قوم جس میں تھی موجود — دین و ایمان و جسم و جانِ سخن
قوم وُہ قوم کونسی یعنی — جسکے قبضے میں تھا جہانِ سخن
جس کی مٹھی میں دل زمانے کے — جس کا ہر غنچہ عطردانِ سخن
جس میں ایک ایک فرد فرد ضعیف — مردِ میدان و پہلوانِ سخن
جس کے سب ناتواں قوی بازو — ہُو بہُو گرد سینانِ سخن
سر پہ موجود اِک خدا جس کے — اور پھر وُہ بھی مہربانِ سخن
جس کا حامی خدا حبیبِ خدا — قوم وُہ قوم گلہ بانِ سخن
آج اُس قوم میں یہ حالت ہے — شیر شرزہ بنے شبانِ سخن
اپنے لشکر کے سنگئے ہاتھی — صاحبِ نوبت و نشانِ سخن
سر پہ چھایا نفاق یا قسمت — تیرہ تر ہو گیا جہانِ سخن
شہسواروں نے ڈالدیں باگیں — گر پڑے تھک کے راکبانِ سخن
ٹھوکریں ہر قدم پہ کھانے لگا — اشہبِ مطلقِ لعنانِ سخن
ہُو کا میدان آج ہے وہ چوک — جس میں کل گرم تھی دکانِ سخن
آج اِک لق و دق بیاباں ہے — کل جو تھا قلعہ شہانِ سخن
آج مسکن ہے جانے کس کس کا — تھے جہاں جمع میزبانِ سخن
بھولے بسرے کہیں کہیں دو چار — نظر آتے ہیں میہمانِ سخن

وہ بھی مہماں سرائے ہستی میں ہیں مقدر سے نوحہ خوانِ سخن
شکلِ یوسف ہیں کارواں سے جدا خوبرویانِ دلستانِ سخن
آنے جانے میں بالمثل تھی ایک شانِ اسلام اور شانِ سخن
ساتھ ساتھ آئی ساتھ ساتھ گئی روحِ اسلام اور جانِ سخن
یا وفا اس زمین ہی پہ نہ تھی اس سے خالی تھا آسمانِ سخن
یا وفا کو بھی خود نبھا نہ سکے صورتِ جنس رائیگانِ سخن
یا نہ تھے قابلِ وفا ہرگز عاشقانِ وسمن بدانِ سخن
یا ازل سے خلاف تھی قسمت وائے بر حالِ صاحبانِ سخن

اکھڑی باتوں سے فائدہ آخر
چھیڑ دو کھل کے داستانِ سخن

## مطلع ثانی

کوئی ملتا جو قدردانِ سخن پیش کرتے کچھ ارمغانِ سخن
عمر گذری اسی تجسس میں چھان مارا بہت جہانِ سخن
دل کی حسرت مگر رہی دل میں لب تک آئی نہ داستانِ سخن
جس زمیں پر گئے نہ سر سے ٹلا شکلِ تقدیر آسمانِ سخن
ہر طرف ہاتھ پاؤں مار آئے تجھ میں اے بحرِ بیکرانِ سخن
چھانے ہر چند کوچہ و بازار بند پائی مگر دکانِ سخن
وہ بھی کیا دن تھے جن میں رائج تھا سکۂ دولتِ روانِ سخن
دولتِ لازوال کہتے تھے یک زباں اس کو راویانِ سخن
دونوں عالم کی نعمتیں تھیں بہم دین و دنیا تھے ہمزبانِ سخن
سب سخن سنج صادق الاقرار فخرِ صادق البیانِ سخن

قول کے ٹھیک بات کے پورے — اور سچ مچ کے رازدانِ سخن
گرچہ اُس وقت میں بھی رہتا تھا — ایک سے ایک ہمعنانِ سخن
لڑتے بھڑتے گذار دیتے تھے — عمر کی عمر پہلوانِ سخن
چین سے بیٹھتے نہ تھے دم بھر — ہم نبرد آن و ہمعنانِ سخن
صلح پر تھی بنائے جنگ مگر — پاک باطن تھے کاملانِ سخن
لڑتے جاتے تھے ملتے جاتے تھے — دانہ سبحہ تھے یلانِ سخن
چلتی جاتی تھی گھستی جاتی تھی — تھی زبانِ قلم زبانِ سخن
قط پہ قط سینکڑوں لگاتے تھے — رات دن اُس پہ کاتبانِ سخن
جانتے تھے ودیعتِ عظمیٰ — تھے دل و جاں سے پاسبانِ سخن
بے طلب اُنکے روبرو زرِ مال — پیش کرتے تھے طالبانِ سخن
بنکے دامانِ دولت و اقبال — سر پہ تھا سب کے سائبانِ سخن
فارغ البال خوش گذر خوشحال — کھاتے پیتے تھے آب و نانِ سخن
اہلِ عالم تھے قدردان اُن کے — اور وہ آپ قدردانِ سخن
خود مناتے تھے قوم کے سلطان — روٹھ جاتے تھے گر شہانِ سخن
ملک گیری میں فوج کے آگے — طبل و قرنائے افسرانِ سخن
کود پڑتے تھے یا علی کہکر — رزم میں شیر بیشگانِ سخن
زنگ آلودہ تیغ بے صیقل — صاف کر دیتی تھی فسانِ سخن
فوج کو مردہ دل جو پاتے تھے — پھونک دیتے تھے بڑھ کے جانِ سخن
کارنامے گئے زمانے کے — چھیڑ دیتے تھے ناقلانِ سخن
ہر طبیعت میں جوش ہو پیدا — یوں سناتے تھے داستانِ سخن
باتوں باتوں میں دل بڑھاتے تھے — سحر پیشہ تھے حاکیانِ سخن

یا مجازاً مسیح مرسل تھے — سب رجز خوانِ وادیِ سخن
اُن کا ہر فقرہ تیغِ جوہر دار — اور ہر لفظ اک سنانِ سخن
حامیِ فوجِ ہادیِ اسلام — افسرِ قومِ رہبرانِ سخن
محفلیں رات دن سجاتے تھے — اوستادانِ و پیروانِ سخن
ہوتے رہتے تھے روز گھر بیٹھے — صاف طینت سے امتحانِ سخن
کج ڈیرے کہیں کل اور کہیں — تھے جہاں گشتِ ہمرہانِ سخن
جمع ہوتے تھے منزلوں چل کر — جوق در جوق کاروانِ سخن
میہمانوں کی پیشوائی کو — گھر سے بڑھتے تھے میزبانِ سخن
تھی ہر اک بزم میں جگہ اُنکی — میرِ محفل تھے قدردانِ سخن
عرش پر کیوں نہ ہو دماغ ترا — مرحبا اوجِ آستانِ سخن
زیرِ منبر ہوں صاحبِ معراج — اور منبر ہو نردبانِ سخن
تھی خدا کے حبیب کو محبوب — اَیُّھَا الْقَوْمُ عزّ و شانِ سخن
سب کو پیارے کی ہے ادا پیاری — ایک تم مدّعیِ جانِ سخن
ہے غنیمت دمِ درود پڑھو — تازہ ہو جائیگی روانِ سخن
پڑھتے آتے ہیں عطر و گل پہ درود — اہلِ بستان باغبانِ سخن
غنچے غنچے کو دل میں رکھتے ہیں — عندلیبانِ نغمہ خوانِ سخن
یا ہوا سے بچاتے ہیں دامن — خود ہوا خواہ بوستانِ سخن
طوطیوں کو ہے آئینے سے گریز — سرو سے ٹیڑھی قمریانِ سخن
شاخسانے نکالتی ہیں ہزار — صحنِ گلشن میں لولیانِ سخن
وقت بیوقت کی اُڑاتے ہیں — ساقیانِ و مغنیانِ سخن
شاخ سے مثلِ برگِ خشک الگ — نونہالانِ خوشقدانِ سخن

صورتِ بوئے گل جدا گل سے — شاہدانِ سمن بدانِ سخن
ہر روش پھر رہے ہیں بیگانہ — شکلِ سبزہ بگانگانِ سخن
لے اُڑے ہیں نسیم کے جھونکے — ہوش کی طرح آشیانِ سخن
دستِ قدرت زخویش بست کشود — رشتہ در قوم و در میانِ سخن
نامزد قوم میں شریف القوم — صاحبِ قوم ہر جوانِ سخن
قوم کے ساتھ ہی مٹی افسوس — رفعت و شانِ دودمانِ سخن
تھی سکت اہلِ قوم میں جبتک — کچھ توانا تھے ناتوانِ سخن
خون کا جوش قوتِ اسلام — سر پہ دو دو تھے موزنانِ سخن
ورثۂ انبیا ہے جس کا نام — اُس پہ قابض تھے مالکانِ سخن
وہ بھی جاگیر ہاتھ سے کھو کر — بیٹھے آخر معلّمانِ سخن
گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا — ہے خدا ہی نگاہبانِ سخن
کارِ طفلاں خراب خواہد شد — کان تک آچکی فغانِ سخن
تو نے گھر در سے کھو دیا ہیہات — اے زمینِ سخن زمانِ سخن
تیری بے مہریوں نے خاک کیا — آہ اے مہرِ آسمانِ سخن
گر بدریا رود برآرد دود — قدمِ سبز سالکانِ سخن
خاک بر سر ہیں تیرے ماتم میں — جمن و گنگ و نہروانِ سخن
ندیاں خون کی بہاتے ہیں — شعب بوّان و اصفہانِ سخن
کوفہ و نجد و بصرہ و بغداد — بھوکے پیاسے ہیں نوحہ خوانِ سخن
گنجہ و طوس و فاریاب و جام — ہیں قیامت کے تشنگانِ سخن
مرو و شیراز و آمل و طہران — تھک گئے ڈھونڈھ کر نشانِ سخن
اپنی ترکی تمام کر بیٹھے — روم و رے اور ترکمانِ سخن

دہلی و لکھنؤ جو باقی تھے — جان اہلِ زبان و کانِ سخن
خاتمِ شان و شوکتِ اسلام — آخریں نوبتِ شہانِ سخن
جنکے دیوان خاص و عام میں کل — میر منشی تھے منشیانِ سخن
جنکے دربار گرم رکھتے تھے — ناثر و ناظمِ جہانِ سخن
آجتک جنکے بام و در پر ہیں — نام و القاب صاحبانِ سخن
آجتک جنکے پھوٹے کھنڈروں میں — دفن ہے دولتِ نہانِ سخن
آجتک جنکے نام سے رائج — سکۂ نقدِ رائگانِ سخن
آجتک جنکی اگلی گلیوں میں — کچھ مسلّم بھی ہیں مکانِ سخن
جوہری جنکے چوک میں ابتک — ہیں سجائے ہوئے دکانِ سخن
دو زیادہ کہیں تو چار کہیں — قابلِ قدر ناقدانِ سخن
جنکے باغوں کے اجڑے تختوں میں — ہیں ابھی چند باغبانِ سخن
جنکی پایاب ندیوں میں ابھی — تیرتے ہیں شناورانِ سخن
جنکی روندی ہوئی کچھاروں میں — ہیں نہاں شیر بیشگانِ سخن
جنکی پامال مرغزاروں میں — چلتے پھرتے ہیں اعیانِ سخن

(ثاقب بدایونی)

---

# تازہ غزلیں

(از جناب امین الحسن صاحب رضوی تسلی)

ذرا تو یاد کرو وہ دوستی کا کزو فریہلے — کبھی کچھ ہم سے تجھ سے بھی تو تھی بیداد گر پہلے

تری مستانہ آنکھوں کی قسم اب تک کھٹک سی ہے
لی تھی مجھ سے جو صبر کرنا نیچی نظر پہلے

گیا دل اور اثر بھی ساتھ ہی لیتا گیا ظالم
تمہیں معلوم ہے تنہا نہ تھے ہم بے اثر پہلے

ترے قربان ساقی مجھ کو مستغنی کیا تو نے
لئے پھرتی تھی میری تشنہ کامی در بدر پہلے

نگاہوں میں تو اب آئی ہے بیباکی و عریانی
بہت ہی بھولے بھالے تھے تری چشم نظر پہلے

یہ سر قدموں پہ اُنکے ٹوٹ کر ملنے نے پہنچایا
جھکا تھا ورنہ کب کس کے لئے بسمل یہ سر پہلے

امین الحسن رضوی بسمل

---

آشنا جب کہ ترے نام سے لب ہوتا ہے
رات کا آخری حصہ وہ غضب ہوتا ہے

ہاتھ پر دل ہیں پئے نذر لئے سب موجود
بے نیازی ہیں عجب حسن طلب ہوتا ہے

مہربانی بھی رُلاتی ہے لہو اب جانا
آپ کا لطف بھی گریہ کا سبب ہوتا ہے

نامہ بر اُنکو جو راضی نہ کیا کچھ نہ کیا
بات کرنیکا بھی کہتے ہیں کہ ڈھب ہوتا ہے

آنکھ کھل جائے اگر دیکھ لیں سونیوالے
وہ دل آویز سماں آخر شب ہوتا ہے

مہر و مہ ہیں بھی تو اک جلوہ گری ہے لیکن
دل کے کھنچنے کا کوئی اور سبب ہوتا ہے

بے نیازی کا ہے الزام جو چپ رہتا ہوں
اور کہتا ہوں جو کچھ ترک ادب ہوتا ہے

وہ زباں دے تو چکے ہیں مگر ایفا کا خیال
دیکھنا یہ ہے کہاں اور یہ کب ہوتا ہے

ہر بگولے نے کیا تربت مجنوں کا طواف
ادب آموز محبت کا ادب ہوتا ہے

یوں سمجھ لیجئے ہر کام کی علت ہے ضرور
کچھ نہ کچھ شکر و شکایت کا سبب ہوتا ہے

میری غزلوں کی ہوئی قدر مرے بعد حفیظ
کوئی ہر شعر پہ اب داد طلب ہوتا ہے

حفیظ جونپوری

---

کون کہتا ہے کہ وہ اور کہیں رہتے ہیں
میرے دل میں جو وہ رہتے ہیں یہیں رہتے ہیں

کتنے آرام سے سب زیر زمیں رہتے ہیں
شاہ رہتے ہیں شہنشاہ وہیں رہتے ہیں

ایک لمحہ بھی ٹھہر جائے کسی کی کیا تاب
تیرے کوچے میں ستمگار ہمیں رہتے ہیں

ہے فنا سب کو فقط ایک خدا باقی ہے
دل پہ کندہ یہ مرے نقش و نگیں رہتے ہیں

دیکھتے ہی انہیں دل ہوش جگر صبر قرار
میرے قابو میں یہ دو چار نہیں رہتے ہیں

یاد احباب و اعزا ہے مہان کہاں
اک دل اللہ نے دیا اس میں یہی رہتے ہیں

شیخ کی پگڑی اڑا لائے ہیں رکھ لے ساقی
بے پئے کب یہ خرابات نشیں رہتے ہیں

حضرت دل کو عجب شوق ہے اس محفل کا
ہم جہاں چاہے رہیں آپ وہیں رہتے ہیں

یہ تصور ہمیں پہنچا ہی دیا کرتا ہے
وہ جہاں رہتے ہیں بس ہم بھی وہیں رہتے ہیں

صاف دیتے ہیں دو رنگی زمانہ کا پتہ
دونوں گیسو جو ترے رخ کے قریں رہتے ہیں

وہ شہ حسن ہے۔ بیچارہ وحید ایک گدا
گھر میں درویش کے سلطان کہیں رہتے ہیں

---

(از جناب معراج صاحب)

تیرے وحشی جو رواں سوئے بیاباں ہونگے
دامن و جیب بہم دست و گریباں ہونگے

حشر میں کیا ہی مرے عفو کے ساماں ہونگے
اس کی رحمت کے مقابل میری عصیاں ہونگے

روز و شب عیش کے جس قوم میں ساماں ہونگے
ایک دن اس کے سب افراد پریشاں ہونگے

لاکھ غلت گردیں دشمن ایماں ہونگے
تجھ سے بڑھ کر نہ ستمگر وہ مری جاں ہونگے

پی کے مے جبکہ سر سبزہ خراماں ہونگے
انکے چہرے سے عیاں لاکھ گلستاں ہونگے

زخم سب سودۂ الماس کے خواہاں ہونگے
ہم نہیں وہ کہ جو درماندہ درماں ہونگے

مجھ سے دل ریش پہ یوں یار کے احساں ہونگے
زخم ہونگے مرے اور انکے نمکداں ہونگے

بند و مقنع نہ حجابِ رُخِ جاناں ہونگے
شمع رُو چھپ کے چراغِ تہِ داماں ہونگے

چونکہ شیوہ نہیں آزارِ خلائق اپنا
مجھ سے ناراض نہ ہندو نہ مسلماں ہونگے

سخت مشکل ہے چلے یونیورسٹی کا جہاز
ناخدا جبکہ نہ عثمانِ علیخاں ہونگے

معنیٔ کلخ قوارہ کھلینگے ہم پر
ساقیِ سیمیں ترے جب ڈل[1] میں نمایاں ہونگے

تجھ کو خورشید سے ہے کسبِ سعادت ورنہ
میرے سینے میں بھی داغ اے مہِ تاباں ہونگے

معرکے اُمتِ مرحوم نے مارے ہیں جہاں
چپے چپے پہ وہاں گنجِ شہیداں ہونگے

واعظِ شہر تو ہر رنگ میں وحشی نکلا
ہم سمجھتے تھے کہ یہ خیر سے انساں ہونگے!

ہوگا رونق پہ عجب علمِ ادبِ دلّی کا
غالبؔ و ذوقؔ سے جب اس میں سخندان ہونگے

جا کے دیکھو گے کھنڈر دلّی و بغداد کے گر
خاک میں اب بھی نہاں گوہرِ رخشاں ہونگے

اب تلک نسخۂ دُنیا ہے مجموعۂ سارا
ایک دن سارے یہ اوراق پریشاں ہونگے

حالیؔ و شبلیؔ کے انفاسِ مسیحائی سے
دہلی و لکھنؤ شیراز و صفاہاں ہونگے

طبعِ ذخّار سے دُرہائے سخن ہیں پیدا
ہم نہ دریوزہ گرِ قلزم و عماں ہونگے

رنگِ حالیؔ میں غزل خوب لکھی ہے معراجؔ
اب تو قائلؔ ترے ناظرؔ[2] سے سخنداں ہونگے

---

(از محمد شفاعت احمد برقؔ دہلوی)

نہ ٹلتے کاش سنگِ آستاں ہو کر ترے در سے
ہوئے پامال ناحق اپنے بیگانے کی ٹھوکر سے

دلِ وحشی ملیگا کیا صلہ کوئے ستمگر سے
صدائے ظلم آتی ہے جہاں دیوار سے در سے

یہاں رونے کی بندی ہے کھچا واں تا بہ خنجر سے
ستم ہے تشنہ لب پر قطرہ قطرہ سے جو یوں تر سے

مری تقریر تارے آسماں سے توڑ لائی کیا
تبسم سے لبِ نازک کھلے اور پھول نکلے سے

---

[1] کشمیر کی مشہور جھیل [2] چودھری خوشی محمد صاحب ناظر گورنر کشمیر

گذرتے ہیں آسانی صراطِ عشق سے دم میں
وہ نہلاتے ہیں جب کشتوں کو اپنے آبِ خنجر سے

نہیں دیکھا جو حالِ دل شہیدوں کا تو لو دیکھو
بجائے اشک خوں برسے بلا سے دیدۂ تر سے

شبِ وعدہ تمناؤں پہ میری پھر گیا پانی
عرق آیا جبینِ ناز پر جب دیدۂ تر سے

چلے آئے ہیں زاہد آج میخانے میں قسمت سے
انہیں نہلاؤ مل کے دوستو آبِ کوثر سے

زمانہ میں ہے روشن روسیاہی آہِ سوزاں کی
بڑھے جاتے ہیں کیوں داغِ جگر خورشید خاور سے

دلِ نازک ادا اور آہِ سوزاں الاماں یارب
ہوا سے ساتھ کیوں تنکے کا پیدا باد صرصر سے

مرا ہے مجھکو مرنا بھی گمانِ بد سے مرقد پر
وہ اب تک کر رہے ہیں سنگباری سنگِ مرمر سے

تڑپ جاتا ہوں جب آنکھیں دکھا کر مجھ سے کہتے ہیں
کبھی اس گھاٹ بیڑا پار ہوگا آبِ خنجر سے

بلا سے جان جائے جائے پر تم حالِ دل دیکھو
چلا آتا ہے پارہ پارہ ہو کے دیدۂ تر سے

خیالِ نوکِ مژگاں دیکھئے کیا کیا ستم ڈھائے
چلی آتی ہے بوئے خوں مجھے ہر تیر کے پر سے

کہاں تک زخمِ پنہاں کا رہے پردہ قیامت ہے
میں پٹی باندھتا ہوں پھاڑ کر دامانِ محشر کے

بتوں کی یاد نے کیسے ہیں ہم کو جاں بلب رکھا
چلے آئے مقدر سے پھرے اللہ کے گھر سے

خموشی اب تو لازم ہے تمہیں اے برقِ محفل میں
دلوں پر چھا گئے سب کے بہت گہرے بہت بر سے

---

(از جناب سید سلطان سنگرونی تلمیذ حضرت بسمل صاحب)

جب چلے ہیں سیرِ گلشن کو تو کس کس سے لڑے
گاہ سنبل سے وہ الجھے گاہ نرگس سے لڑے

رشک اس کا نام ہے۔ دنیا میں کس کس سے لڑے
میری الفت میں [illegible]

رہگذر میں یوں تو ہے مشتاقِ عالم کی نگاہ
اس کی قسمت تیری چشمِ جنگجو جس سے لڑے

دست رس ہو جائے گر اکسیرِ خاکِ در کبھی
اپنی قسمت سیم تن بختِ مہوس سے لڑے

چڑھ رہی ہیں تیوریاں ہر طالبِ دیدار پر
وہ اکیلا چاہتا ہے۔ ساری مجلس سے لڑے

مدعی ہوتے ہیں دولتمند۔ دولتمند کے
کوئی سمجھا دے تونگر کو نہ مفلس سے لڑے

دید بازی ایسی ہے اُس گلبدن کو ناگوار
گھور کر دیکھے اگر نرگس۔ تو نرگس سے لڑے

کس طرح تم پہ نہ ہوں قرباں نگاہیں بزم میں
چشم پرواز۔ نہ کیونکر شمع مجلس سے لڑے

فتنہ گر کہکر۔ اُٹھانا چاہتے ہیں کیوں حضور
کس سے جھگڑے آپکی محفل میں ہم کس سے لڑے

بس وُہی ہے خوبرو سُلطان جاہیں جسکو ہم
بس وُہی ہے دلرُبا۔ اپنی نظر جس سے لڑے

---

(از جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اے دِل یہ ہے خلافِ رسمِ وفا پرستی
توبہ بتوں کے آگے ذکرِ خدا پرستی

اِک خنجرِ قضا ہے اِک نشترِ جفا ہے
وُہ چشمِ شوخ جو ہے مستِ حیا پرستی

دکھلاؤنگا تماشا اس آئینہ میں تم کو
صبحِ ازل سے دل ہے محوِ صفا پرستی

ظالم کو ہے یہ کوشش اسکو کہیں مٹا دوں
مظلوم دل کو میرے فکرِ بقا پرستی

کیوں ساز و برگِ ہستی کرتا ہے تو مہیا
دُنیا کو رات دن ہے ذوقِ فنا پرستی

تو ہے عزیز بیشک مردِ خدا رسیدہ
یہ حکمت و تصوّف یہ اولیا پرستی

---

(از جناب منشی محمد صدیق حسن صاحب صدیق دہلوی تلمیذ جناب مولانا راسخ مرحوم)

نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا عدو سے یار کا پہلو
جُدا ہو خار سے کیونکر گلِ گلزار کا پہلو

بنایا رشک آئینہ خدا نے یار کا پہلو
نظر آتا ہے اس میں ہر در و دیوار کا پہلو

مَیں اس ڈر سے مکرّر ان کا بوسہ بھی نہیں لیتا
نکل آئے نہ کوئی پیار میں تکرار کا پہلو

مجھے آنکھیں دکھائیں پہلے پھر ابرو میں بل ڈالا
لگا کر تیر یاد آیا انہیں تلوار کا پہلو

خریدار آ کے جا بیٹھیں گے اس یوسف لقا کے گھر
کرینگے گرم جا کر حسن کے بازار کا پہلو

جگر میں ہے دل میں کسک ہے درد پہلو میں
تیری نوکِ مژہ میں ہے سر ہر خار کا پہلو

یقیں کس کا کروں جب اک سخن سے نکلیں دو باتیں
ترے اقرار کے پہلو میں ہے انکار کا پہلو

مجھے وہ بزم ہے اعراف بھی جنت بھی دوزخ بھی
ادھر سے یار کا پہلو ادھر اغیار کا پہلو

نہ کیوں یہ درد دل ہو جان سے بڑھ کر عزیز انکو
بدلواتا ہے اٹھ اٹھ کر ترے بیمار کا پہلو

اگر ڈر ہے قیامت کا تو اتنا ہی فقط ڈر ہے
نہ کر لے اختیار آکر تیری رفتار کا پہلو

ہنسی میں بھی نکل آتے ہیں آنسو سچ ہے اے صدیق
چھپا ہوتا ہے راحت میں بھی ایک آزار کا پہلو

---

(از جناب سید رضا حسین صاحب رضا اغوان پوری)

درِ دلدار پہ منت کشِ درباں ہونا
اس سے بہتر ہے شبِ ہجر میں بیجاں ہونا

نخلِ قامت کا مرے سروِ چراغاں ہونا
داغ فرقت کو سکھا دیتا ہے سوزاں ہونا

مژدہ اے مرگ کہ آزردہ ہے وہ رشکِ مسیح
سخت مشکل ہے مرے درد کا درماں ہونا

حسن و الفت کا کرشمہ تھا زلیخا کی قسم
ماہ کنعاں کا اسیرِ چہ و زنداں ہونا

شاخِ گل پیشِ رخِ غنچہ دہن رکھ دیجے
نہیں مشکل شجرِ سیب زنخداں ہونا

ناکساری سے فقط مطلب و مقصد ہے یہ چرخ
سرمۂ مردمِ نادیدہ خوباں ہونا

دیکھکر خالِ رخِ یار پہ یاد آتا ہے
کعبہ میں زنگیوں کا حافظِ قرآں ہونا

آہ ناوک زِ کماں رفتہ پرائے تیر فگن
قتلِ عشاق پہ ہو وقت پشیماں ہونا

وجہِ خورشید بہ ظلمات کا مضمون ہے صاف
گیسوؤں کا رخِ مہرو پہ پریشاں ہونا

کششِ عشق تھی لیلیٰ کی طرف سے ورنہ
قیس کا مائلِ اسباق و بستاں ہونا

اے رضیٰ مرضیِ مولیٰ پہ رضامند رہو
نہیں ہر ایک کی قسمت میں سخنداں ہونا

(از جناب یاس عظیم آبادی تلمیذ جناب شاد)

فکر انجام نہ آغاز کا کچھ ہوش رہا
چار دن تک تو جوانی کا عجب جوش رہا

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا
کشمکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

نشۂ الفتِ ساقی کا عجب جوش رہا
ہولِ صحرائے قیامت بھی فراموش رہا

دھوم سنتے رہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں
حشر تک میں یوں ہی کھولے ہوئے آغوش رہا

نکہتِ گل کی طرح جامہ سے باہر ہونگا
فصلِ گل کا جو گلستاں میں یہی جوش رہا

سایۂ دامنِ قاتل میں جو نیند آتی مجھے
پھر تو کروٹ بھی بدلنے کا نہ کچھ ہوش رہا

رحمتِ حق رہی ہم عاصیوں پر سایہ فگن
سر پہ چھایا ہوا اک ابرِ خطا پوش رہا

بحرِ رحمت میں بہت ہوگا تلاطم برپا
تجھکو اے اشکِ ندامت جو یہی جوش رہا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کون سی عالم میں ہوئی
عمر بھر کس لئے محروم یہ میکوش رہا

حالِ دل ہوگیا حسرت کی نگاہوں سے عیاں
ٹکٹکی باندھے ہوئے میں یوں ہی خاموش رہا

اٹھتے اٹھتے تھی وہی بزم کی مستانہ روش
چلتے چلتے بھی خمِ مے کو وہی جوش رہا

دور کھنچتی ہی گئی منزلِ مقصود مگر
روبروئے عشق کی ہمت کا وہی جوش رہا

پھر گئیں آنکھیں مری کوچۂ جاناں کی طرف
شکر ہے مرتے دم اتنا تو مجھے ہوش رہا

یاس نے ساتھ نہ چھوڑا کبھی مرتے مرتے
تیرے قدموں سے لگا صورتِ پاپوش رہا

---

(از جناب بیتاب عظیم آبادی)

شادمانی کا کبھی غم کا کبھی جوش رہا
ایک سودا رہا جب تک کہ مجھے ہوش رہا

غرقِ دریائے محبت دلِ پرجوش رہا
اے خوشا قطرہ جو قلزم سے ہم آغوش رہا

رخِ پرنور سے بس اُنکا اُلٹنا تھا نقاب
کون کمبخت تھا ایسا کہ جسے ہوش رہا

روح پرور وہ سدا اور وہ تسلی جاں بخش
ہمہ تن چشم رہا میں ہمہ تن گوش رہا

لے سحر آتی ہے دم توڑ رہے ہیں عاشق
تو کہاں شام سے اور وعدۂ فراموش رہا

لڑکھڑاتے ہوئے ہم تا لبِ کوثر پہنچے
بعد مرنے کے بھی ساقی کا ہمیں ہوش رہا

کیا اثر رکھتی ہے مستانہ نظر ساقی کی
جس کو مدہوش کیا اُس نے وہ مدہوش رہا

خود سفینہ مرا پہنچے گا لبِ ساحل تک
بحرِ مواجِ بقا کو جو یوں ہی جوش رہا

تیرا بسمل تو تڑپنے کو سمجھتا ہے حرام
نہ اُڑیں خون کی چھینٹیں یہ وفا کوش رہا

کیا بُرا حال ہے بلبل کا قفس میں صیاد
گو بہار آئی وہ خاموش کا خاموش رہا

نظر آتا رہا ساقی رُخِ نورانی دوست
جب تلک ہاتھ میں جام مئے سرجوش رہا

دل ہو یا جان ہو یا چشمِ تماشائی ہو
جو ترا محرمِ اسرار تھا خاموش رہا

ساقیا بزم میں یہ فرقِ مدارج کیسا
کوئی مدہوش ہے پی کر کوئی باہوش رہا

بے دھڑک بھیڑ میں محشر کی وہ آنا تیرا
دیکھ لینا جو کسی ایک کو بھی ہوش رہا

مطمئن قلب ہوا راحتِ روحانی ہے
اب نہ وہ شوق کی تکلیف نہ وہ جوش رہا

درد اُٹھتے ہی تڑپنے لگا وہ محرمِ راز
جو ادا سے تیری واقف تھا وہ خاموش رہا

بجھنے والا نہیں اے روح کبھی تیرا چراغ
نہ رہے گا نہ کسی وقت وہ خاموش رہا

اک شبِ ہجر پہ موقوف نہیں اے بیتاب
جب پڑی سخت مصیبت تو میں خاموش رہا

---

کتنی مے دی مرے ساقی نے مجھے کیا معلوم
جام میرا تو ہمیشہ تہِ سرپوش رہا

نہیں معلوم مرا زخمِ جگر کیسا ہے
چارہ گر دیر تلک دیکھ کے خاموش رہا

(اکبر عظیم آبادی)

---

وصل کی رات کوئی بات بھی مُنہ سے نکلی؟
یوں تو کہنے کو میں کہہ دوں کہ مجھے ہوش رہا

میری بالیں پہ وہ اغیار کے ساتھ آئے تھے
یہ سبب تھا کہ میں بیہوش کا بیہوش رہا

سید محمد محی الدین تمنا

ہے عبث تجھ پہ یہ الزام کہ روپوش رہا
طالب دید کو دیدار کا کب ہوش رہا

شفق

---

وادیٔ عشق میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں پاؤں
جیت لیتا ہوں یہ میدان جو یہی جوش رہا

(مفتون عظیم آبادی)

---

دیر سے ہے لب کوثر پہ ہی ساقی کی پکار
اور باقی تو نہیں اب کوئی مینوش رہا

زیر خنجر بھی نہ تڑپا میں ذرا او قاتل
مرتے مرتے بھی میں کس رہ وفا کوش رہا

(آرزو عظیم آبادی)

---

(از جناب امین الحسن رضوی بسمل)

گو فلک نے پیچ لاکھوں ہی کئے
اپنے بل پر میں سنبھلتا ہی رہا

فتنۂ محشر کی قامت سے مگر
قد تمہارا کچھ نکلتا ہی رہا

خوب کاٹی عمر تو نے اے امید
میں دعاؤں سے بہلتا ہی رہا

کوسنے اُن کے دعائیں ہو گئیں
یاں نہال عشق پھلتا ہی رہا

ہونے والی تھی جو چوری ہو گئی
پاسبان شب بھر ٹہلتا ہی رہا

خال بن بن کر رخ تاباں کا تل
نور کے سانچے میں ڈھلتا ہی رہا

بلبل و گل میں ہنسی ہوتی رہی
باغباں کمبخت جلتا ہی رہا

جو گیا وہ بت نصیب دشمناں
میں کف افسوس ملتا ہی رہا

مر کے بھی دیکھا نہ خنجر نے کبھی
آپ کا بسمل مچلتا ہی رہا

---

۷۷۵۴

# مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

**رسوم دہلی** (مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت محصول ڈاک ۱۲ر

**اقبال دلہن** (مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خانصاحب قسم اول عا قسم دوم عہ ۸ر

**خواب ہستی** - مرزا محمد سعید صاحب ایم اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن عہ ۴ر

**ابو مسلم خراسانی** - رسالۃ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے - مولوی محمد حلیم صاحب ردولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمایش پر عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے - .. .. .. .. عہ ۴ر

**کلام نیرنگ** - میر غلام بھیک نیرنگ بی - اے وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ۶ر

**انتخاب مخزن** - مخزن کی ۹ جلدوں کا انتخاب ہے - قیمت علاوہ محصول - عہ

**درد جانستان** - مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا واقعہ ۸ر

**دربار نمبر** - دربار تاجپوشی کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نہایت اہتمام سے نکالا گیا ہے ۶ر

**مثنویات میر حسن** - مثنوی بینظیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دیگئی ہے عہ

**سیر تبت** - انگریزی کتاب فیے ایرس ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ

**مرقع خوشخطی** - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم لاہور نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں کاتبوں اور شائقین خط کے واسطے تیار کیا جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں - علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اسکے اہتمام میں مدنظر رکھا ہے دعوے ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کیواسطے اسوقت ملک میں موجود نہیں ۱۰ر

**درخواستیں بنام مینیجر مخزن - لاہور آنی چاہئیں**

# شائقین کتب ملاحظہ فرمائیں

(سنگلاخ کتابوں کا حل)

مندرجہ ذیل کتابیں کوئی حل نہ کرسکا اور نہ کوئی انشاءاللہ حل کرسکتا ہے
یعنی پتھروں کو پانی کرکے بہادیا۔ دیکھنا شرط ہے۔

**حل قصائد خاقانی** - مدخلہ کورس منشی فاضل ایم اے حصہ اول ۱۲ر
حصہ دوم زیر طبع ہے۔

یہ وقفہ اس لئے کہ ہم کو چوروں سے پناہ نہیں جو گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کوئی
مرد میدان ہے تو دوسرا حصہ حل کرے۔ مشکل قصائد میں نے حل کردئے آسان باقی ہیں

**حل کلیات اردو** - مرزا غالب مرحوم .. .. .. .. ۱۰ر

**حل قصائد خاقانی** - کورس منشی عالم .. .. .. .. ۹ر

**حل نکات** - مولانا مرزا عبدالقادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ در تصوف ۱۲ر

**شوکت التجدید** - میر کلیات جو قصائد و غزلیات و رباعیات و سلام
اور اردو اور بھاشا وغیرہ کی نظم سے مرصع ہے اور شاعری کی
دنیا جس کی منتظر ہے پیشگی قیمت آرہی ہے زیر طبع ہے پیشگی عہ اور بعد طبع عہ

**اعلان عام** - جو صاحب کامل شاعر بننا چاہیں میری جانب رجوع
لائیں۔ جیسا کہ کلام ہوگا اسی درجے کی اصلاح ہوگی۔ کلام بھیجکر آزمالیں۔
جو صاحب کسی کتاب اردو۔ فارسی۔ عربی میں اصلاح لینا چاہیں فیس کے بارہ میں مراسلت کریں
اکثر کتابوں کا لٹریچر بلکہ املا تک صحیح نہیں ہوتا غلطیوں کو مجدد ہی خوب جانتا ہے +

---

مجدد السنۂ مشرقیہ - احمد حسن شوکت شہر میرٹھ

چھپکر تیار ہے

# خیالستان

یعنی

## سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے کے مصنفہ قصوں اور مضامین کا مجموعہ

یہ کتاب پونے چار سو صفحوں سے زیادہ حجم کی چھوٹی خوبصورت تقطیع پر نہایت خوش قلم چھپی ہے۔ کاغذ چکنا ولائتی۔ سرورق کا کاغذ سفید ولائتی جس پر سرخ و سبز رنگ کے بیل بوٹے ہیں +

ایک مختصر سی تمہید جناب میر نیرنگ صاحب بی۔ اے نے لکھکر اس دلچسپ مجموعے کو کتاب کی صورت میں پیش ہونے کی ضرورت ظاہر کی ہے +

سید سجاد حیدر صاحب کے اچھوتے مضامین جس قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں محتاج بیان نہیں۔ صرف مثال کے طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ بعض اوقات ایسی فرمائشیں آتی ہیں کہ مخزن کا ایک پرانا پرچہ جس میں صاحب موصوف کا فلاں مضمون تھا تلاش کرکے ایک روپیہ کا وی پی کر دیجئے۔ اب انکے وہ سب مضامین جو مخزن میں نکلے ہیں اور دیگر مضامین جو اردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں یکجا نہایت اہتمام اور خوبصورتی سے چھپے ہوئے ہدیہ ناظرین ہیں۔ شائقین جلد منگوائیں۔ قیمت علاوہ محصولڈاک عا

مینجر رسالہ مخزن مکلگن روڈ۔ لاہور

# ہاف ٹون عکسی تصاویر

(شائقین جلد منگوائیں)

علمی اور ادبی دنیا کے جن مشاہیر کی تصویریں وقتاً فوقتاً رسالہ مخزن میں شائع ہوتی رہی ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں جنہیں اکثر صاحبان علیحدہ علیحدہ اپنے پاس رکھنا یا فریم میں لگانا چاہتے ہیں اس لئے ان کی کچھ کچھ زائد کاپیاں چھپوائی گئی تھیں۔ جواب برائے فروخت پیش کیجاتی ہیں قیمتیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ حضرت داغ دہلوی مرحوم قیمت ... ۳ر
۲۔ شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم ۳ر
۳۔ پروفیسر ونبری (مع نمونہ دستخط انگریزی و تحریر فارسی .. .. .. ۳ر
۴۔ گروپ (میر مہدی مجروح مرحوم و منشی امیر اللہ تسلیم و احسان دانسی .. .. .. ۳ر
۵۔ منشی ونائک پرشاد صاحب طالب بنارسی ۳ر
۶۔ حضرت جلال لکھنوی (مرحوم) ... ۳ر

## تصاویر مصر و روم

ہز ہائی نس عباس حلمی پاشا (خدیو مصر) ۴ر
والی بروصہ کے ساتھ تین مہمان (جلال انسی بے شیخ مصطفیٰ حسین قدوی و شیخ عبدالقادر .. .. ۴ر
جامع سلطان احمد (استانبول) ۴ر

ان تینوں تصویروں کی فقط چند کاپیاں موجود ہیں۔

---

چشمہ سلطان وقیصر ولیم (استانبول) ۱ر
قصر یلدز (جس میں جلوس سلطانی کی بھی تصویر ہے) ۱ر
غلطہ کا بڑا پل (استانبول) ۱ر
خزینہ ہمایوں کا دروازہ ۱ر
کارخانہ ابریشم (بروصہ) ۱ر
درویشان طریقت مولانا روم ۳ر

## متفرق

فرانسیسی پشم کاتنے کا چرخہ (بچوں کیلئے) ۱ر
قصر مصنوعات زمانہ (نمائش لندن) ۱ر

درخواستیں بنام مینیجر مخزن مکلگن روڈ۔ لاہور آنی چاہئیں

# اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

# اور

# مظلومانِ طرابلس فنڈ کی مدد

ہم نے عہد کرلیا ہے کہ آئندہ **اٹلی کا مال** ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کر دیا ہے نیز ہم **اعلان** کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ٹرکی ٹوپیوں (**محسن الملک پیٹنٹ** و **وقار الملک پیٹنٹ** ساختہ **کرسٹی لنڈن**) کی جتنی بکری **یکم نومبر** سے **تا اختتامِ جنگ** ہوگی اُس میں سے فی ٹوپی چار آنے (۴) مصیبت زدگان طرابلس فنڈ کے لئے **نذر** کرینگے +

**محسن الملک پیٹنٹ** استر تمام ولائتی چمڑے کا (ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہے۔ قیمت مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸ للعہ

**وقار الملک پیٹنٹ** بشرح صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کے لئے چمڑے کی پٹی قیمت مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸ لے

**تازہ مال آگیا ہے** اور اس میں بہت رنگ اور سائز موجود ہیں۔ فرمائش کیساتھ ناپ و

**دہلی دربار پر جانیوالوں کو اطلاع** سفر میں بہت وزنی ٹرنکوں اور صندوقوں سے بچنا چاہیں تو چمڑے کے ہینڈ بیگ۔ گلیڈ سٹون بیگ اور کٹ بیگ منگوائیے۔ جن کا ہم نے دربار کی خاطر بہت سا تازہ سٹاک منگوایا ہے اور نرخ نہایت ارزاں

**سردیوں کیلئے** سب قسم کا تازہ مال آگیا ہے۔ سوئٹر۔ بنیانیں۔ کمبل۔ موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست دوکان مفت) **عبدالرشید برادر جنرل مرچنٹ و سٹشنر**

**انارکلی لاہور**

# چوب چینی اور عشبہ کی اکتالیس مجرب فوائد

## جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

**فائدہ ۱** جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کرکے کی ہے اور سرٹیفکیٹ دئے ہیں وہ یہ ہیں۔ جب کبھی آتشک یا سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آجائے چہرے اور جسم پر بدنما سیاہ داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ تو اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائینگے +

**فائدہ ۲** جسکی تصدیق پنتالیس مختلف مریضوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابی معدہ۔ خرابی جگر۔ بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر بیرونقی اور مردہ پن پیدا ہو گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ۔ کبھی دست کبھی قبض ہو جاتی تھی۔ وہ سب اس مرکب کے استعمال سے دور ہو گئے +

**فائدہ ۳** جسکی تصدیق دو سو مریض آزما کر کے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں اور جسم پر دانے۔ پھوڑے پھنسیاں۔ کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لبسدار پانی بہ کر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے +

**فائدہ ۴** جسکی تصدیق تینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور بیٹھنے آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چمڑوں میں رہتا تھا اور ان سے سخت بدبو آتی تھی +

**فائدہ ۵** جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں۔ خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور بدن میں تین گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں اور انکے پیدا ہونی بند ہو گئیں +

**فائدہ ۶** جسکی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں۔ عرصہ سے ناسور اور بھگندر سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی اور سخت تکلیف رہتی تھی۔ اس مرکب کے چند روزہ استعمال سے ناسور سوکھ گئے اور زخم بھر گئے +

**فائدہ ۷** جسکی تصدیق ستائیس بیمار کرتے ہیں۔ ان کو جوڑ سے اٹھ کر درد تمام بدن اور پنڈلیوں میں پہنچا کرتا تھا جس سے ٹانگ دن بدن سوکھتی جاتی تھی۔ اسکی ایک شیشی کے استعمال سے ریشمی باؤ اور درد جاتا رہا +

**فائدہ ۸** جسکی تصدیق چار سو عورتیں اسے استعمال کرنے کے بعد کرتی ہیں کہ انکے بلوں میں درد اور رحمت بدبودار پانی جاری رہتا تھا۔ ایام حیض میں کمر و سر میں درد سخت ہو کر انکی تھی اسکے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے۔ رحم کا پانی بند۔ اور چہرہ سرخ ہو گیا +

**الغرض چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے مصفی خون ہے جہاں** بہت سے عشبے انکا کوئی نقصان ساتھ ثابت ہوتے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس بات کی تاب و حرارت کے مشروب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں جس سے خون زیادہ خراب اور تیز ہوتا ہے) اس مرکب کے سریع الفعل فائدہ کو دیکھا ہیں اس کو جو بھی استعمال کرے اور دنیا پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے جس سے تمام چمڑے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں

**ثبوت کے لئے اس چوب کے استعمال سے پہلے اپنے بدن کو وزن کر دو وزن ڈیڑھا ہو جائیگا**

نصف صدی سے یہ مرکب ملک کے ہر ایک حصہ میں جاری کیا گیا ہے۔ آپ بھی تجربہ کر کے فائدہ اٹھائیں

**قیمت**

شیشی کلاں جو ایک ماہ کے لئے کافی ہے تین روپے (عہ)۔ شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ (عہ) +

**علاوہ ازیں** اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوائیں موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب (۲) خوشبودار لوبیہ (۳) حلاوت کلاں (۴) دوائی سوزاک نمبر ۱ (عہ)۔ نمبر ۲ (عہ)۔ (۴) حب دافع آتشک (عہ)۔ (۵) حب دافع بواسیر (عہ)۔ حب دافع جریان و احتلام (عہ)۔ (۶) سرمہ لبرا کرانی بیتول (عہ) سوسنی کرمان (۷) ۔ (۹) سرمہ خوشبودار بیتل شیشی (عہ)۔ وغیرہ اگر آپ کسی مرض سے تنگ ہیں تو ہمسے فارم منگوا کر مریض کا مرض اور اسکا نام بھیجکر منگائیں جن سے معلوم ہو جائیگا کہ مرض قابل علاج ہے یا نہیں اور یہ کہ کب تک ہوگی

**المشتہر**

**حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء قادری چشتی لاہور (موچیدروازہ)**

# ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

## کا ریویو

## ہندوستان کی اسلامی تاریخ مصنفہ مولوی کرم الٰہی صوفی پر

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب! السلام علیکم۔ میں نے آپکی کتاب اسلامی تاریخ عہد افغانیہ شروع سے لیکر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اسکی بہت قدر کرینگے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابل داد ہیں اور آپ کی قوت استدلال اور درایت تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاق تاریخ نویسی ابتک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جنکی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اخلاق فاضلہ کے بہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں۔ جو انکی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جنپر عمل کرنے سے حجاز کے صحرا نشین تیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچکر اقوام قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیب جدید کے بانی بنگئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیئے) تو آپکی تصنیف اس مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے اور میں بحیثیت ایک مسلم ہونے کے آپکا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جسکو بالفاظ دیگر قومی خودداری کہنا چاہیئے۔ قومی زندگی کے لئے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپکی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپکو اس مقدس رسول کی بارگاہ سے ملے جسکے کام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام

آپکا خادم **محمد اقبال** بیرسٹر ایٹ لا لاہور

**نوٹ**:۔ یہ کتاب مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی۔ ڈنگہ ضلع گجرات سے ۸ کو ملسکتی ہے۔

شائقین علم و ادب اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھالیں

# خاص رعایت

بحکم انجمن پنجاب

بحکم اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم ملکہ

مخزن کے گذشتہ پرچوں میں

## صرف جنوری ۱۹۱۲ء تک

اکثر احباب مخزن کی گذشتہ جلدوں کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ اسٹاک میں شروع اجرا سے ۱۹۰۹ء تک کے مختلف پرچے بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ انکی کوئی جلد مکمل نہیں ہوسکتی۔ ۱۹۱۰ء میں دو پرچے جنوری اور فروری کے بالکل نہیں۔ باقی پرچے موجود ہیں۔ یہ قسم اول اور دوم دونوں کی جلدیں ہیں۔ قسم دوم کی بعض جلدیں مکمل بھی ہیں +

۱۹۱۱ء کے پرچے تمام و کمال موجود ہیں۔ ہر دو قسم کے جو احباب ہم سے گذشتہ متفرق پرچے منگانا چاہیں۔ انکے ساتھ ہم یہ رعایت کرینگے کہ فیصدی ۵۰ کمیشن دینگے۔ یعنی ایک روپیہ کے ۸ ر لئے جائینگے۔ یہ رعایت ۱۵۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء سے آخر جنوری ۱۹۱۲ء تک دربار تاجپوشی ملک معظم دام ملکہٗ کی خوشی میں دیجاتی ہے

**نوٹ**:۔ مخزن ۱۹۱۰ء کے پرچہ ہائے جنوری و فروری۔ قسم اول اگر کوئی خریدار صاحب فروخت کرنا چاہیں تو براہ کرم منیجر مخزن سے خط و کتابت کریں + ۱۹۰۹ء اور اس سے قبل کے سنین کے پرچوں کی بھی خریداری کی جاسکتی ہے۔ متفرق ہوں۔ یا مکمل جلدیں نیز مناسب کمیشن پر مخزن کی گذشتہ مکمل جلدوں کے بکوا دینے کا اہتمام ہوسکتا ہے +

## المشتہر:۔ منیجر مخزن لاہور۔

**بچے کی تندرستی**:۔ اپنے موضوع پر بہت مفید اور عمدہ باتصویر کتاب قیمت ۱۰ر

منیجر مخزن لاہور۔

# معارف استنبول کا سفرنامہ

(از شیخ عبدالقادر صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا)

جس کی تعریف سے سفر نامے بھرے ہوئے ہیں ملک کے ہر گوشے سے قبولیت عام کی سند اسے حاصل ہوئی ہے کہیں نہ ہو تک تجھے چیزوں کی تعریف کیلئے ہر وقت تیار ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس سے قبل آج تک کوئی کتاب اردو زبان میں نہیں لکھی گئی۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے جو خطوط استنبول سے لکھے تھے جن کا ترجمہ مختلف اخبارات میں شائع ہوا وہ محض اس ضخیم کتاب کا ضمیمہ ہے۔ اصل کتاب نئی نئی معلومات سے پُر ہے اور سلطان المعظم کے عالیشان دارالخلافہ کی سچی تصویر ہے اور پھر شیخ صاحب نے اول تو اپنے مشہور طرز بیان کے جوہر اس کتاب میں اس خوبی سے دکھائے ہیں کہ جس چیز کا حال لکھا ہے اسکا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ قریب قریب ہر باب کے ساتھ ایک ہاف ٹون عکسی تصویر ہے گویا چھتیس تصویروں کا ایک مرقع کتاب کے ساتھ مفت ہاتھ آتا ہے۔ پھر جس اہتمام سے کتاب چھپی ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ کاغذ اعلیٰ قسم کا چکنا ہے تصویریں نفیس آرٹ پیپر پر اس پر دو سرخ جو اپنی اپنی جگہ حسن کی چھپائی کا کمال دکھاتے ہیں۔ ایک پر سنہری سیدھی بیل ہے طغرا شاہی اور دوسرے پر خوشرنگ انگریزی بیل بہایت پسندیدہ ضخامت صفحات تقریباً تین سو سے زیادہ ہوتی ہے قیمت بمحصول ڈاک ۸ روپیہ

**منیجر مخزن انجمن لاہور سے طلب کیجیے**

# طب یونانی کی بقا کے

## عالیجناب خلیق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب

[illegible] مستقل [illegible] ہے [illegible]
[illegible] انہیں کی طرف اشارہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت
[illegible] ان ہی کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ جناب خلیق الملک اس فرض کو [illegible]
ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس اہم [illegible]
[illegible] رہتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ کے اس فرض کا ثبوت اور اس کی مستقل [illegible]
[illegible] اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے لیکن اگر حقیقت شناس نگاہ سے
[illegible] تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے۔ شخصی اغراض سے اس کو علیحدہ رکھ
[illegible] غرض سے یہ قائم ہوا ہے اس کے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا
[illegible] بنی ہوئی یونانی ادویات اور ان کی طرز شناخت میں تہذیب و ترقی کا دوا
جیسے یہ پورا کرتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے [illegible]
ہیں بلکہ حکما کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف رؤسا و امرا کو میسر آتے تھے [illegible]
دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں۔ اور واجبی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

## اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دیجاتی

[illegible] جناب خلیق الملک بہادر اپنی اور اپنے زندہ جاوید بزرگوں کی خاص خاص [illegible]
فرمائی ہیں صحت و تندرستی ایک جوہر ہے ایسا ہی اور ہر ایک نفسانی [illegible]
وطن کو ان اعلیٰ اور منتخب یونانی [illegible] ادویات سے [illegible]
[illegible]

# ۱۰۵

# مخزن

## از فرخ علم و ادب کی ذخیرہ نسخہ ہائے خوبیوں کا

نثر


دہلی میں دربارِ شہنشاہی۔ عبد القادر۔ ۱
شہنشاہ اور مسلمان رعایا۔ عبد القادر۔ ۷
مدینۃ السعادۃ۔ محمد حلیم انصاری وارثی۔ ۹
روزنامچہ نواب سر بلند جنگ بہادر۔ ۲۳
ابن عربی۔ سید محمد فاروق احمد (بریلوی)۔ ۲۷
علم کا صحیح استعمال۔ محمد ابراہیم خان تجلی (حیدرآباد)۔ ۳۸
بات اور دن۔ سید ماجد حسین صاحب بی۔ اے۔
بی۔ ایل (بھاگلپوری)۔ ۴۰
کانفرنس [illegible] (از افریقہ)۔ ۴۶


نظم


ملک و وطن۔ محمد [illegible] مشرقیہ شوکت (میرٹھ)۔ ۵۲
تہنیت تاجپوشی۔ محمد اسمٰعیل ذبیح چھرا مئو (ضلع فرخ آباد)۔ ۵۶
دربارِ دہلی۔ منشی دنا نک پرشاد طالب (بمبئی)۔ ۶۲
مبارکباد (جشن تاجپوشی) حافظ محمد عبد العزیز عاشق۔ ۶۴
جشن تاجپوشی ملک معظم قیصر ہند دام اقبالہ۔ منشی [illegible]
صاحب سترداد (امرتسری)۔ ۶۸
از جناب شیخ حفظ اللہ صاحب تحصیل ایٹہ۔ ۷۱
از جناب محمد عبید اللہ بسمل (گاگنیوی)۔ ۷۷
از جناب مسٹر محمد عبد اللہ صاحب محسن (لاہوری)۔ ۷۲


بعض لغت ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی لغت کو ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں۔

○ [illegible] ● ان شہروں میں اردو [illegible] ● ان شہروں میں اردو بھی جاتی ہے۔


[illegible] مخزن کلکشن پریس لاہور میں حسنا اور منشی فضل الٰہی [illegible] کیا



بفضلہ تعالیٰ دفتر مخزن کا تمام انتظام درست ہو گیا ہے۔ جنوری ۱۹۱۱ء سے رسالہ وقت پر شائع ہوتا رہیگا۔ تصاویر کا انتظام بھی ہو گیا ہے

# چھپکر تیار ہے

# صبحِ زندگی

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصہ سے انتظار تھا اور جس کی فرمائشیں دفتر مخزن میں چھپنے سے بہت پیشتر ہی موصول ہو چکی ہیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب نہایت خوش قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے۔ قسم اول کے کاغذ کی چونکہ مانگ زیادہ ہے۔ اس لئے قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو چھتیس (۲۳۶) صفحہ کی ہے۔ اور اسمیں ایک لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک کے وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرح کنواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب کی وقعت۔ خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار اطوار ادعادات کے متعلق طرز بیان ایسا موثر ہے کہ ضرور دلنشین ہوتا ہے! خانہ داری کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے۔ کاڑھنے کی بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں۔ سینے اور کاڑھنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دئے گئے ہیں! عورتوں کی زندگی پر انسانی کا وعظ اس کتاب کی روح رواں ہے! وداع کا سماں۔ سہیلی کا سہیلی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں! زبان کے متعلق بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہل زبان یعنی منازل السائرہ کے مشہور مصنف مولوی محمد عبد الراشد الخیری کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ باعتبار واقعات یہ دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر اتالیقی کتاب زنانہ لٹریچر میں موجود نہیں۔ قیمت قسم اول (عہ) قسم دوم (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔

درخواستیں بنام مینیجر مخزن۔ لاہور آنی چاہئیں

# مخزن

## دہلی میں دربارِ شہنشاہی

خاکِ پاکِ دہلی نے جسے مولینا حالی نے بجا طور پر "تختگاہِ شاہاں" کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ یُوں تو بیشمار دربار اور جشن دیکھے ہیں۔ مگر یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی جشن ایسا نہیں ہوا۔ جو اُن تمام خصوصیات سے بھرا ہو جو ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کے روزِ مبارک کے حصہ میں آئیں۔ عجب نہیں کہ یہ پُر معنی جشن تاریخِ عالم میں یادگار رہ جائے۔ لیکن کم از کم تاریخِ ہندوستان کے اوراق میں تو یہ دربار اور اس کے متعلق خوشی کے جلسے جب تک ہندوستان اور تاریخِ ہند قائم رہینگے۔ حروفِ زرّیں میں چمکتے رہیں گے۔

اس مضمون سے میرا مقصد دربار کی شان و شوکت اور دہلی کی زیب و زینت۔ جلوس کے اہتمام اور خیموں ڈیروں کے انتظام کا نقشہ کھینچنے کا نہیں۔ اوّل تو اخبار بین حضرات ان حالات کی تفصیل اخبارات میں روز دیکھتے رہے ہونگے۔ اور بہت سے خوش قسمت

لوگوں نے یہ دلفریب نظارے دہلی جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہونگے۔ دُوسرے اس دربار اور جشن کا مرقع کھینچنے کے لئے کم از کم مولینا آزاد مرحوم کا قلمِ جادو رقم درکار ہے۔ کاش وُہ آج زندہ ہوتے اور اپنے وطنِ مالوف دہلی کے اُجڑے ہُوئے گلشن میں پھر بہار آئی ہُوئی دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے دلاویز طرزِ بیان سے صفحۂ کاغذ پر گلکاری کرتے مگر پُرانی دہلی کے ساتھ دہلی کے دلدادہ سپوت بھی یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور جو باقیماندہ ہیں (خُدا انہیں تادیر قائم رکھے) وُہ پا در رکاب بیٹھے ہیں۔ اور اس تازہ بہار کے دیکھنے والے بیشتر وُہ لوگ ہیں جنہیں دہلی سے زیادہ خصوصیت نہیں۔ تاہم وہ سب اس رونق اور چہل پہل کو خوش ہیں اور لاکھوں اشخاص جو اس مرتبہ دہلی کی سیر سے شاد ہُوئے ہیں۔ دِل سے شہنشاہ جارج پنجم کو دُعا دے رہے ہیں۔ جنکے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ہندوستان کے قدیم پایۂ تخت کو یہ رونق نصیب ہُوئی۔

آج میرا مقصد فقط اسی قدر ہے کہ بعض اُن خصوصیات کا ذکر کروں جو اس دربار کو سابقہ درباروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور جن کے لحاظ سے وُہ دربار جو ۱۲۔ دسمبر کو بخیر و خوبی انجام ہوا۔ بالکل بیمثال و بے نظیر ہے۔

سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ دُنیا بھر کی تاریخ میں آج سے پہلے ایسی عالمگیر سلطنت کی مثال موجود نہیں جس سلطنت کا تاجدار مع اپنی ملکۂ والا تبار کے اس مہینے میں مملکتِ ہند میں جلوہ افروز رہا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ اسے اس کی وسعت کے لحاظ سے برِ اعظم کہیں تو روا ہے۔ اور اکثر کہا جاتا ہے کہ روس کو چھوڑ کر باقی سارا یورپ اس میں سما سکتا ہے۔ مگر اس وسعت پر شہنشاہ جارج پنجم کے ممالکِ محروسہ کا وُہ ایک حصّہ ہے۔ اور اس کے علاوہ دُنیا کے ہر برِ اعظم کے

نقشہ پر بڑے بڑے قطعے برطانیہ کے رنگ سے رنگے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن سب پر انگلستان کا عَلَم - یونین جیک - لہرا رہا ہے - یونین جیک اسوقت لفظاً و معناً اتفاق و اتحاد کا پھریرا - امن و آزادی کا جھنڈا اور فتح و نصرت کا نشان ہے - جہاں کہیں یہ پہنچتا ہے - امن و آزادی کی برکتیں صنعت و تجارت - اور ترقی دولت کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں - جنگل سرسبز اور ویرانے از سرِ نو آباد ہوتے ہیں - اور لوگ خوشحال ہو کر تاجِ برطانیہ کے منّت پذیر اور شکر گذار بنجاتے ہیں - عروج و اقبال کی انتہا ہے کہ یورپ کے اس چھوٹے سے جزیرے میں بیٹھے ہوئے جسے انگلستان کہتے ہیں - وہاں کا فرمانروا اور اس کے وزرا اطرافِ عالم پر حکومت کریں - اور سات سمندر پار اُن کا سکّہ اسی سہولت سے رواں ہو جیسا کہ خود پایۂ تخت لندن میں - اور یہ انتہائی اقبال خدائے لایزال نے اسوقت برطانیہ اور شاہ برطانیہ قیصر ہند کو عطا کیا ہے - اور یہ وہ اقبال ہے جو اس مبارک سال میں بہ نفسِ نفیس ہند اور اہلِ ہند کے سروں پر سایہ فگن ہوا -

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جہانتک تاریخ سے پتا چلتا ہے - شاید یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی تاجدار نے ایک ملک سے دوسرے ملک میں آکر جس میں بحر و بر کے ہزاروں میل حائل ہوں - اس جاہ و حشم کے ساتھ جشنِ تاج پوشی منایا ہو - اور کم از کم یہ تو مسلّم ہے کہ تاریخِ انگلستان میں یہ واقعہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ ہے اور ہندوستان کی تاریخ بھی باوجود اپنی گوناگونی کے اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے - شہنشاہِ جارج پنجم کا یہ خاص احسان رعایائے ہند کو کبھی نہ بھولے گا - کہ انہوں نے اور ملکہ معظّمہ نے ایسے دور دراز سفر کی تکلیف صرف اس لئے برداشت فرمائی کہ اہل انگلستان کو اور دیگر ممالکِ محروسہ برطانیہ کے اہالی کو یہ معلوم ہو جائے کہ انکی نگاہ میں مملکتِ ہند خاص وقعت رکھتی ہے - اور وہ اسے اپنے عظیم الشان ورثہ کا

جو انہیں اپنی نیکدل دادی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی اور اپنے والد بزرگوار شہنشاہ اڈورڈ ہفتم سے ملا ہے۔ ایک اعلیٰ جزو سمجھتے ہیں۔ اِس الطافِ شاہانہ سے یہ اُمید پیدا ہوتی ہے کہ وزرائے سلطنت شہنشاہ کی طرف سے یہ اشارہ پاکر اُمورِ ہند کو محض ایک ضمیمہ امورِ سلطنت کا نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسی توجہ کرینگے جو اس کی اہمیت کے شایانِ شان ہے۔ خاص کر یہ توقع بیجا نہیں کہ اس موقعہ پر وزرا میں سے جناب وزیرِ ہند بہادر کا ہمرکاب ہونا غالباً ہندوستان کے لئے نہایت منفعت کا باعث ہوگا۔ اور ذاتی تجربے اور مشاہدے کے جو خزانے وُہ یہاں سے اِن چند دنوں میں بھی اپنے ساتھ لیجائینگے۔ وُہ آئندہ نظم ونسقِ سلطنتِ ہند میں اُنکے بہت کام آئینگے۔

تیسری خصوصیت جو قابلِ ذکر ہے وُہ یہ ہے کہ شہنشاہ کے سفر وحضر میں بیسویں صدی کی تازہ ترین ترقیاں سب کی سب ممد ومعاون ہوئی ہیں اور اُن کے یہاں تشریف لانے کا ہر ایک مرحلہ سائنس کا ایک کرشمہ تھا اور دربار کے سین کا چھوٹے پیمانے پر مُلک کے ہر حصہ میں دُہرایا جانا اس زمانے کے معجزوں میں سے ایک اعجاز تھا۔ جنگی جہازوں نے سمندر کے سفر میں شاہی جہاز کی پاسبانی کی۔ اور بے تار تار برقی نے جہاز پر خبر رسانی کی۔ جو پیچیدہ آج کل سائنس نے ممکن کر دکھائے ہیں۔ کسی زمانے میں معجزے سمجھے جاتے۔ جہاز سمندر میں جا رہا ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ سوائے پانی اور حدِ نگاہ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ شاہِ عالم پناہ جہاز پر سوار جا رہے ہیں اور خبر آتی ہے کہ "انگلستان میں حضور کے اقبال سے ہر طرح خیر وعافیت ہے"۔ یہ اس زمانہ کا اعجاز نہیں تو کیا ہے۔ راہ میں جو اظہار وبدبہ برطانیہ کے اثر کا جابجا ہوا ہے وہ بھی غیر معمولی ہے۔ اٹلی اور ٹرکی کی لڑائی جہاں ہو رہی ہے اس راہ سے شہنشاہ

جارج پنجم کی بحری سواری گزری ہے۔ مگر اللہ رے اثر۔ کہ اہلِ اٹلی نے چند روز اپنے جنگی جہازوں کی حرکت موقوف حرب کی طرف ملتوی کر دی کہ شاہِ جمجاہ کی سواری امن و آسائش سے گذر جائے۔ اٹلی اور ٹرکی آپس میں حریف ہیں مگر برطانیہ کی صلح پسندی اور حکمت دیکھئے۔ کہ برطانیہ کے دونوں دوست ہیں۔ سلطان المعظم کا سب سے بڑا شہزادہ ٹرکی کی جانب سے تحفۂ سلام و پیام لیکر شہنشاہِ جارج پنجم سے مصر کے قریب ملتا ہے اور اس تقریبِ سعید پر سلطان المعظم اور نیز اپنے ملک کی طرف سے شہنشاہ کو مبارکباد دیتا ہے۔ یہ خیر مقدم جو جابجا چلا آیا ہے۔ بمبئی آکر اس کی حد ہو جاتی ہے۔ جس سرگرمی۔ جس جوش اور جس خلوص کے ساتھ رعایائے ہند نے بمبئی میں بہ سرکردگی حضور وائسرائے و گورنر جنرل کشورِ ہند اپنے بادشاہ اور ملکہ معظمہ کو خوش آمدید کہا ہے۔ اس کی خوشگوار یاد امید ہے کہ خود قیصرِ ہند و قیصرۂ ہند کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑ گئی اور پھر دہلی میں تو رعایا کی وفاداری کا جوش اور ریاستہائے ہند کے والیانِ ریاست کی صداقت اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ گئی۔ دہلی دربار کے موقعہ پر ہر شہر اور ہر قریہ میں جو جلسے ہوئے۔ ان سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ انتظامِ برطانیہ کا تار و پود مکمل ہے اور اس میں کہیں ایک تار بھی ٹوٹا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ ملک کے ہر حصے میں اور رعایا کے ہر طبقے میں گہرا جوش محبت اور ارادت کا تاج برطانیہ و خاندانِ شاہی کے ساتھ ہے۔ جو صرف ایسے موقعہ کا منتظر تھا۔ ۱۲۔ دسمبر کی رات کے چراغان نے تمام قلمرو ہند کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ اور لوگوں نے اس قدر خوشی منائی کہ کسی کا یہ قول بالکل درست

معلوم ہوتا ہے کہ دن کو عید کا اور رات کو دیوالی کا سمان تھا۔ فقط اس تشبیہ میں یہ کمی رہ گئی۔ کہ عید کے دن فقط مسلمانوں میں چہل پہل ہوتی ہے۔ مگر اس عام عید کے دن ہندو مسلمان عیسائی سب یکساں اور یکجا خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دیوالی کی رات کو صرف ہندو چراغاں کرتے ہیں، اور ۱۲۔ دسمبر کی رات کو ہندو مسلمان عیسائی سب اپنے اپنے گھروں کو سجا کر منور کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے کئی تیوہار ایک تیوہار کے اندر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور جوشِ وفاداری کا سارے ملک میں ایک سیل اُمڈ آیا ہے۔ جس کی لہریں اُمید ہے کہ بغاوت و فساد کے خس و خاشاک کو بہالے جائینگی اور ملک کو فتنہ سے پاک کر دیں گی۔ اگر اس عالیشان دربار سے یہ نتیجہ مترتب ہوا۔ تو جو تکلیف ہمارے شہنشاہ نے فرمائی ہے اور جو مصارفِ کثیر اس تقریب پر ہوئے ہیں۔ سب کا صلہ مل جائے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور خدا شہنشاہ جارج پنجم اور اُنکی ملکہ معظمہ کو بایں ہمہ الطاف و کرم تا دیر سلامت رکھے +

ایڈیٹر

# شہنشاہ اور مسلمان رعایا

ہر چند کہ جشن و دربارِ تاجپوشی کی خوشی میں ہر قوم گرمجوشی سے شریک ہے مگر مسلمان رعایائے ہند کو جو خاص تعلقات تاجِ برطانیہ اور خاندانِ شاہی کے ساتھ ہیں۔ اُن کی بنا پر اگر وہ اوروں سے کسی قدر زیادہ گرمجوشی دکھائیں تو وہ حق بجانب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے ذمہ شکر واجب بھی زیادہ ہے۔ اُنکی حالت اس وقت ملک میں بلحاظِ تعداد و دولت نسبتاً کمزور ہے۔ اور وہ بغیر گورنمنٹ کی خاص توجہ اور مہربانی کے ترقی نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رُبع صدی میں گورنمنٹ کی طرف سے کئی طرح کی توجہات اُن کے حال پر ہوتی رہیں۔ جن کی بدولت اُنہوں نے تعلیم میں اور اثر و اقتدار میں بہت سی کمی پوری کی اور بہت سی کھوئی ہوئی چیزیں پھر پائیں۔ گورنمنٹ نے اُن کی امتیازی ہستی کی اہمیت کو تسلیم کر کے اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اُن کے حقوق کا اعتراف کیا۔ یہ سب اُمور اُن کے دلی تشکر کے مستحق ہیں۔ اُن کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے اور بارہا کہی جا چکی ہے۔ لیکن پھر دُہرائے جانے سے اسکی خوبی اور دلچسپی میں کچھ کمی نہیں آسکتی کہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایۂ امن و آرام سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور یہ خاص تعلق مسلمانوں اور انگریزوں کے اغراض کو ایک دوسرے سے ایسا وابستہ کرتا ہے کہ ایک کی بھلائی

دوسرے کی بھلائی سے مربوط اور اُس پر منحصر ہو جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً گورنمنٹ انگریزی نے مسلمانوں کے مذہبی خیالات کا لحاظ اس خوبی سے کیا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے تسخیر کر لیا ہے۔ اور یہ خاندانِ شاہی جس کے رُکنِ رکین اس وقت شہنشاہ جارج پنجم قیصرِ ہند ہیں۔ اس قسم کی تسخیر میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ چنانچہ مسلمان نہایت ہی صداقت سے اس ادا کے قائل ہیں کہ اس دربار کی تقریب پر بھی شہنشاہی پروگرام اور دربار کی تاریخیں اس لئے بدل کر پہلے کر دی گئیں۔ کہ اگر بڑے دنوں کی تعطیلوں میں دربار ہوگا تو ماہِ محرم کا اور مسلمانوں کے ایک کثیر حصہ میں شہیدانِ کربلا کی عزاداری کا آغاز ہو جائے گا۔ اس تغیرِ تاریخ سے جو کچھ ہرج ہوا یا جو سہولتیں بڑے دنوں میں ممکن تھیں وہ چھوڑنی پڑیں۔ جو تعطیل دربار کے لئے خاص دینی پڑی۔ ان سب کا احسان مسلمانوں پر ہے اور وہ دل سے اس عنایت اور توجہ کے معترف ہیں۔ اتفاقاتِ حسنہ کو دیکھئے کہ جو جہاز شہنشاہ کی سواری کے لئے انتخاب ہوا۔ اس کا نام وہ نام ہے جو مسلمانوں کو دل سے عزیز ہے۔ یعنی مدینہ۔ اور جس دن شہنشاہ نے سرزمینِ ہندوستان پر قدم رکھا وہ عید کا دن ہوا۔ یہ علامات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیّت ایزدی شہنشاہ برطانیہ اور انکی مسلمان رعایا کے باہمی رشتہ کو مضبوط کر رہی ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ یہ رشتہ روز بروز مضبوط ہوتا چلا جائے۔ کیونکہ اسکی مضبوطی میں دونوں طرف کا نفع ہے +

عبدالقادر

# مدینۃ السعادۃ

ذیل کا مضمون سنہ ۱۹۱۰ء کے ایک جلسہ میں جو "بزمِ اُردو" لاہور کا عام جلسہ تھا پڑھا گیا۔ چونکہ یہ ایک دلچسپ اخلاقی مضمون ہے۔ لہٰذا اس کو ناظرینِ مخزن کی نذر کرنا مناسب ہوگا (ایڈیٹر)

دِن بھر دفتر کے کام اور رات کو بعض کتابوں کے مطالعہ سے تھکا ہوا دماغ آخر بارہ بجے آرام پر راغب ہوا۔ تکان نے بستر پر لیٹتے ہی مدہوش بنا دیا۔ نیند آئی یا نہیں؟ مَیں اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ مَیں اس عالم سے باہر کسی اَور جہان میں پہنچ گیا تھا۔

خبر نہیں خواب تھا۔ یا بیداری تھی۔ کیونکہ مجھ پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی۔ کوسوں کیا منزلوں تک کفِ دست چٹیل میدان تھا۔ اور میں اس میں رواں تھا۔ آدمی تو کیا چرند و پرند بلکہ درخت اور گھاس تک کا کسی طرف نام و نشان بھی نہ تھا۔ بس یہ حالت تھی ؎

پتے کو پتا نہ تھا شجر کا
عنقا تھا نام جانور کا

ریگستان کی ریگ ہوا کے جھونکوں سے اُڑ اُڑ کر یوں لہرا رہی تھی کہ گویا

بحرِ محیط کی شفاف اور ہموار سطح تموّج کے سبب درہم و برہم ہو گئی ہے۔ یا کسی صبیح و مُمَن بر محبوب کی چین آلود پیشانی ہے جو دلدادگانِ وفا طلب کو اُس دلربا کے جوشِ غضب سے ڈرا رہی ہے۔

مگر ایسے سُنسان بیابان اور ہُو کے میدان میں جہاں طائرِ اندیشہ بھی پر مارنے کی جرأت نہ کر سکے، اور سمندِ خیال وہاں پہنچکر تمام تیزیاں اور طرّاریاں بھول جائے۔ اگر کوئی بات مجھ وحشت زدہ کی تسکینِ خاطر کا سبب تھی تو وُہ یہ تھی کہ خدا کی مہربانی سے جھلجھلاتی ہُوئی دوپہر کی دھوپ نہ تھی۔ بلکہ شام کا سُہانا وقت تھا اور خوفِ غروب سے زرد شدہ سُورج۔ نہاں خانۂ مغرب میں روپوش ہونے کے لئے جلد جلد نیچے اُتر رہا تھا۔ اس کی پیلی پیلی کرنیں اپنا آخری لُطف خیز سُنہرا نُور ریت کے ذرّوں پر جگمگاہٹ طاری کرنے کی صورت میں نمایاں کر رہی تھیں۔ اِس تمام میدان میں آدمی تو کیا اُس کا یا کسی دُوسری چیز کا سایہ بھی بجز میرے اپنے سایہ کے نہ نظر آتا تھا۔ اور وُہ بھی یُوں کہ نقاشِ شعاع نے اس کی تصویر کشی کرتے ہُوئے غلطی کھا کر گویا مجھے ابوالبشر آدمؑ سمجھ لیا اور میرا طُول حد سے بڑھا کے مجھے عین مین ایک لاٹ بنا دیا تھا۔

مَیں شام کا وقت نزدیک پا کر ایک ایسے صحرا میں جس کا نہ اَور تھا نہ چھور۔ پریشان و حیران مارا مارا چلا جاتا تھا۔ اس کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں جاؤنگا اور کب منزل کا نشان پاؤنگا۔ کہ اسی اثنا میں آفتاب اپنے آرامگاہ مغرب میں جا چھپا اور رات کا سیاہ پردہ اُس کے رُخِ انور پر لٹک پڑا ؎

چاروں اُور اندھیرا چھایا پنچھی لَوٹ بسیرے آیا
حال کہوں کیا دلِ مضطر کا دھوبی کا کُتّا گھاٹ نہ گھر کا

منزل کا واں پتا کہاں تھا رات اندھیری ہو کا سماں تھا
لغزشِ پاؤں میں قلبِ طپاں تھا سوجھتا کب بٹا کا نشاں تھا
ظلمت وہ کہ الٰہی توبہ توبہ توبہ توبہ توبہ

بس میری وہ حالت تھی کہ "نہ تو دودھ نہ نگلنے کا نہ اُگلنے کا" جاؤں تو کدھر! اور رہوں تو کہاں؟ میں چشمِ عشاق کا وہ قطرۂ اشک بنا تھا جسے سوزِ محبت باہر ڈھکیلے اور حیا آگا روک کر نکلنے سے مانع آئے۔ کچھ سُرت نہ تھی کہ کیا ہوں اور کیسا؟ پردۂ ظلمات کا رازِ مخفی ہوں یا گہرے پانی میں تڑپتی ہوئی مچھلی۔ جسے نہ خود اپنی خبر ہوتی ہے اور نہ کسی اور کو اس کی۔ کبھی خیال آتا کہ کسی کوئلہ کی تاریک کان میں چل رہا ہوں۔ ہاتھ بڑھا کر سرنگوں کی دیواریں ٹٹولنے کا قصد کرتا۔ کہ کسی چٹان سے ٹکرا نہ جاؤں۔ مگر وہاں نامتناہی خلا کے سوا کیا تھا۔ بہرحال قدم بڑھ اور ایک بیخودی کا نشہ سا چڑھ رہا تھا اور اُٹھتا گرتا چلا ہی جاتا تھا کہ یکایک تاریکی کا پردہ پاش پاش ہونے لگا۔ نورِ سحر چمکا اور میں نے اپنے تئیں ایک سر بفلک پہاڑ کی تلیٹھی میں پایا۔ پہاڑ کیا تھا ایک دیوار تھی جو فضائے آسمان کو بند کر لینے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ یا سقف آسمان کو ٹیک دیکر زمین پر گرنے سے بچا رہی تھی۔ یا ایک پُرشوکت و ہیبت بادشاہ تھا جس نے قرصِ آفتاب کا آتشیں تاج اور اس کی کرنوں کی زرین قبا پہن لی تھی۔

پوچھئے نہیں کہ اُس وقت میری کیا کیفیت ہوئی۔ میدانِ بلا کٹا تو اب اس کوہِ فلک شکوہ کی چڑھائی کا مرحلہ پیش آیا۔ پھر پہاڑ بھی کیسا جس پر چڑھنے کی آرزو سے آسمان پر صعود کرنے کی تمنا زیادہ سہل نظر آتی تھی۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ اس پر چڑھوں یا اپنی جگہ ہی پر کھڑا رہوں۔ ناچار

تو بتقدیر ہو بیٹھا۔ اور نظر دوڑا کر ہر طرف نگراں ہوا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک چٹان اپنی بہنوں سے کچھ صاف و شفاف چکنی اور ہموار نظر آئی۔ تکان سر پر سوار تھا۔ اور عضو عضو بے قرار۔ جا کے اس پر پڑ رہا۔ اور بقول کسے ع یہ مثل سچ ہے کہ سولی پر بھی آجاتی ہے نیند۔ فوراً خوابِ راحت سے ہم آغوش ہو گیا۔

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ میرا چھپر کھٹ یعنی وہ چٹان ذرا ذرا سرکتی معلوم ہوئی۔ ہلی ڈلی۔ اور پھر بلند ہو کر اُڑن کھٹولا بن گئی۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی رُوح ہے اور مجھے ملاءِ اعلیٰ پر لئے جاتی ہے۔ لیکن آنکھ کھول کر دیکھتا ہوں تو وہ بسترِ جسے میں چٹان خیال کر رہا تھا۔ ایک پرند ہے جس کی ساخت عقاب سے ملتی جلتی ہے۔ تو ڈیل ڈول گنبد نما گول مٹول ہے۔

یہ پرند مجھے اپنی پشت پر لئے اُڑتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور اس کو عبور کر کے ہوا سے اُترا۔ میں جھٹ پٹ اُس پر سے اُتر کے الگ ہو گیا۔ کیونکہ میری مشکل آسان ہو چکی تھی۔ اور اب اُمید کی دل خوش کُن ٹھنڈک میرے دل کی لگی بجھانے میں اپنا جاں بخش اثر دکھا رہی تھی۔ پہاڑ کی چڑھائی جس پر جانا امکان کے دائرہ سے باہر تھا بلا منّتِ غیرے طے اور یہ کٹھن منزل پے ہو گئی تھی۔ میں پہاڑ کی دوسری ملیٹھی میں پہنچ گیا تھا اور زندگی کی مسرت اور آبادی کی رونق کا منظر میرے پیشِ نگاہ تھا۔ دور سے پانی کی روانی دکھاتی ہوئی جدولوں کے کنارے سبزہ نضارت افزائے نظر کی تحریریں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اُن کے بیچ بیچ میں پست و بلند مکانات اور عالیشان سر بفلک محلوں کا جلوہ نظر آ کر میرے دل کو مسرور اور میرے تکان کو دور بنا رہا تھا۔ آبادی کی شکل کیا نظر آئی کہ دل بے اختیار ہو کر اُسی طرف

کھنچ چلا۔ جسم میں تازہ جان آگئی۔ قدم بڑھا۔ اور دوڑتا ہوا اس کی طرف چل نکلا۔ تھوڑی دیر میں ایک مزرعہ کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے وسط میں ایک عمارت تھی اور اس کے دروازہ پر ایک بزرگ سن رسیدہ آدمی کھڑا تھا۔ اس بزرگ کی صورت و شباہت کے متعلق غالباً صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ہمارے زمانہ کے اوہام پرست منجمین کے نو تحقیقات پسندگان مریخ کا ہمشکل تھا۔ وہ میری شکل دیکھ کر ایسا گھبرایا جیسے انسان جن کو دیکھ کر بوکھلا جاتا ہے۔ اور میرے دل میں اس کی ہیبت نے اس سے بھی زیادہ گھر کیا۔ لیکن عجائبات کی دید سے مانوس اور غرائباتِ عالم کے نظارہ سے مالوف ہونے کے باعث میں بہت جلد سنبھل گیا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس کے علاوہ گویا قدرۃً اس کی عجیب و غریب زبان بھی الہامی طریقہ سے مجھ کو معلوم ہوگئی اور میں نے اسی بولی میں اپنے انوکھے ملاقاتی سے بات کی۔ اس نے کہا:۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ میرے اس شہر کے سوا دنیا میں کوئی شہر ہی نہیں اور نہ ہمارے علاوہ کوئی اور انسان ہے"۔

پھر مجھے اپنے گھر میں لیجا کر بال بچوں سے ملایا۔ خوش ذائقہ کھانا کھلایا آرام کے لئے نرم نرم بستر بچھا دیا۔ اب پھر شام ہوئی تھی اور یہ میرے سفر کی دوسری شب تھی۔ پہلی رات جس تکلیف و مصیبت سے کاٹی تھی اس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ دوسری رات آرام و اطمینان کے خواب شیریں میں بسر ہوئی اور میں آرام سے سویا اور کوئی خوف و خطر پاس نہ پھٹکا۔

پردہ پوش عاشقاں کا دورہ ختم ہوا۔ میں بھی شاہِ خاور کے ساتھ ہی بستر سے برآمد اور اپنے پاک سیرت و بزرگ میزبان خاندان کی نماز اور دعا خوانی کی صدا سنکر بیدار ہوا۔

وہ خشوع وخضوع کے ساتھ دُعا ومناجات میں مصروف تھے۔ سب ایک صف میں استادہ تھے۔ پاکیزہ دُعائیں پڑھتے جاتے تھے۔ اپنے مصائب دفع، مشکلیں آسان اور حالت درست ہونے کی دُعا مانگتے تھے اور خداوند کریم سے اس کی امداد واعانت کے طلبگار تھے۔ یہ منظر میرے دل پر بیحد موثر ہوا۔ میں دل کے تقاضا سے مجبور ہو کر اُن کی طرف جذب اور اُنکی صف میں شامل ہو گیا اور خود بھی انہیں کی طرح دُعا وثنا اور عاجزی وزاری میں مشغول۔

مجھے سخت حیرت تھی کہ اس شہر میں نہ کوئی رسول خدائے پاک کا پیغام ہدایت لایا۔ نہ کوئی آسمانی کتاب اُتری۔ مگر یہاں کے آدمی ایسا صادق اور خالص ایمان رکھتے ہیں کہ دیدہ ہے نہ شنید۔ نماز ونیاز سے فراغت ہوتے ہی میں نے گھر کے مالک اور خاندان کے سردار سے دریافت کیا:۔

"آپ کس کی عبادت کرتے اور کس سے دُعا مانگتے ہیں"؟

"اس کائنات کے خالق اور اس کے مُدبر کی"۔ میرے معزز میزبان نے فرمایا اور مجھ سے اور اُس سے یہ مکالمہ ہوا:۔

میں"۔ کیا تم نے اس خالق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانا ہے"؟

میزبان"۔ بیشک! ہم نے اس کا جلوہ۔ اس کی قدرت کے آثار اور مصنوعات میں دیکھا ہے، وہ ہم کو آسمان اور پانی میں نظر آیا ہے گردش کرنے والے فلک اور چلنے والے ستارے اس کے مظہر ہیں۔ حیوانات کے پیٹ میں پیدا ہونے والے بچے، اور نباتات کے بیجوں کا نشو ونما اُس کا جلوہ گاہ ہے۔ ہم نے پروردگار برحق اور خالق مطلق کی ذات پاک کا مشاہدہ خود اپنی ذات، رُوح اور عقل کے آئینہ میں کیا ہے"۔

مَیں۔ "مگر عبادت کرنے کی وجہ"۔

میزبان۔ "اُس کی نعمتوں کی شکرگذاری۔ کہ اُس نے ہم کو پیدا کیا۔ اور پھر رزق پہنچایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دُوسرے کی کچھ بھی مدد کرتا ہے تو دوسرا اس کا شکریہ ادا کرنے میں سرگرم ہوتا ہے۔ ایک لُقمۂ غذا۔ اور ایک گھونٹ پانی کے لئے بہت بہت شکر کرتا ہے۔ جب معمولی سے احسان کا یہ بدلہ ہو تو محسنوں کے محسن اور منعموں کے صاحبِ توفیق بنانے والے کا شکر نہ ادا کرنا کیسی ناقابلِ عفو خطا اور کس قدر موجب شرم قصور ہے"۔

مَیں۔ (اپنے دل میں) یہ شخص صدیق اور مخلص کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو بلا اُمیدِ ثواب اور بغیر خوفِ عذاب کے محض شوق سے قادرِ مطلق کی بندگی کرتے ہیں۔

(میزبان سے مخاطب ہو کر) "آپ موت کے بعد کہاں جانے والے ہیں"؟

میزبان۔ "دائمی نعمت۔ یا المناک ہمیشہ کے عذاب میں"۔

مَیں۔ "کیا آپ کی مُراد جنّت اور دوزخ ہے"؟

میزبان۔ "مَیں آپ کی یہ بات کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ حکیم خُدا نیکوکار کو اس کے اعمالِ نیک کا اچھا بدلہ ضرور دیگا اور بدکار کو نیکوکار کے برابر بنا دینا اس کے عدل کو پسند نہیں ہو سکتا"۔

مَیں۔ "نیکوکار کون ہے اور وُہ کب نیکوکار ہوتا ہے۔ اور بدکار کو بدکار کیوں کہتے ہیں"؟

میزبان۔ "نیکوکاری نفع پہنچانے۔ اچھا کام کرنے اور بنی نوع کے حقوق اور اپنے فرائض ادا کرنے کا نام ہے۔ اور بدکاری شرارت اور ضرر رسانی کا نام۔ ہم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کچھ نقصان پہنچاتا یا اس کو تکلیف

سے بچانے میں قصور کرتا ہے وہی بد اور بدکار ہے"۔

اس قدر گفتگو کے بعد میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کاش وہ علما اور مناظر جو معمولی اعمال کے اختلافی مسائل اور عقائد کی پیچیدہ باریکیوں کے درپے ہو کر اُن میں اپنا دماغ اور وقت رائگاں کرتے ہیں۔ کہیں ان سادہ لوح آدمیوں کی طرح اسرارِ دین اور اس کی حکمت سے آگاہ ہوتے تو کیا خوب بات ہوتی۔ کیونکہ گو میرے سادہ دل میزبان گروہ کو جنت و دوزخ کا فرق اور دین و چین کا امتیاز نہیں۔ مگر یہ دین کے اہم امر کی کنجی اور اُس کا گر اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔

اب ہماری گفتگو ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے میزبان سے خواہش کی کہ ذرا اپنے شہر کی سیر کرا دیجئے۔ وہ خوشی سے اُٹھا۔ مجھکو ساتھ لیا اور شہر میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شہر کے راستے اور گلیاں کشادہ اور خوش ترتیب ہیں۔ مکانات سب ایک دوسرے سے الگ الگ بنے ہیں۔ ہر ایک گھر کے ساتھ ایک تر و تازہ پُر فضا خانہ باغ ہے۔ جس کے درخت بادِ صبا کے جھونکوں سے مل کر جھوم رہے ہیں۔ اور مرغانِ نواسنج اپنے چہچہوں سے ارغنون نوازی میں مصروف ہیں۔ شہر کے رہنے والے مرد اور عورت۔ بڑے اور چھوٹے سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول اور جد و جہد کے پیچھے پڑے ہیں۔ اُن میں کسی سائل فقیر کا وجود نہیں اور کوئی کاہل الوجود اُن کے اندر موجود نہیں۔ جسے بیکاری سے سروکار اور انگڑائیاں لینے کا انتظار ہو۔

سب سے بڑھکر عجیب اور متحیر بنا دینے والی بات اس شہر میں یہ نظر آئی کہ یہاں وہ باہمی امتیاز نام کو بھی نہیں جو ہمارے ملک میں بنی نوع بشر

کے اندر پایا جاتا ہے۔ کہ کسی کو خوشحال اور کسی کو بدحال دیکھا جاتا ہے لیکن یہاں سب آدمی ایک سال حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ گھر، سواری، لباس، سامان خانہ داری، اسباب زندگی، اور دولتمندی میں سب کا درجہ بالکل برابر ہے۔ کہیں کوئی فرق نہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اپنے عمر رسیدہ میزبان سے سوال کر ہی دیا:۔

"کیوں جناب! کیا آپ کے یہاں دولتمند اور فقیر۔ آقا اور ماتحت کا کوئی فرق نہیں"؟

**میزبان**:۔ نہیں صاحب! ہم میں سے ہر شخص کو ایک گھر رہنے سہنے کے لئے۔ ایک مختصر کھیت روزی کا ذریعہ حاصل کرنے کے واسطے۔ اور ایک چارپایہ باربرداری کے کام کا بہت ہے۔ اس کے سوا وہ کچھ غرض نہیں رکھتا اور اسی سبب سے ہم میں آقا اور غلام، یا دولتمند اور فقیر، کوئی نہیں ہوتا"۔

**میں**:۔ یہ عجیب بات ہے مگر امکان سے باہر نہیں۔ لہٰذا اسکو مانے لیتا ہوں لیکن کیا آپ کے شہر میں کوئی بیکار کام نہ کرنے کے قابل اور سست و کاہل آدمی بھی نہیں"؟

**میزبان**:۔ سست و کاہل آدمی کا ہمارے یہاں نام بھی نہ لیجئے۔ ایسا آدمی ہمارے ساتھ کیونکر رہ سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمیں اس پر مطلق رحم نہ آئے گا۔ ہم اس کی اس لغزش کو کبھی معاف نہ کرینگے۔ کہ عقل اور قوت کی ایسی خداداد نعمتوں کی۔ انہیں کام میں نہ لانے کے ذریعہ سے سخت ناقدری کرتا ہے۔

"باقی رہا ناکارہ اور مجبور۔ ہم اس کی مدد کرتے اور اس سے اچھی طرح پیش آتے ہیں اور اس برتاؤ کو اپنے لیے کچھ فخر کا سبب نہیں جانتے۔ کیونکہ

ہم اُس کو اپنی اُس قوت کا صرف بہت تھوڑا سا حصہ دیتے ہیں جو خداوند کریم نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے مرحمت فرمائی ہے اور ہمارے نزدیک عاجزوں کی دلدہی اور مصیبت زدوں پر مہربانی کرنے سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں"۔

ابھی ہمارے مابین یہ بات ہو رہی تھی کہ دُور سے ایک عظیم الشان اور شہر کی دیگر عمارتوں میں ممتاز عمارت نظر آئی۔ یہ عمارت خوبی تعمیر اور خوشنمائی نے سب اور مکانات پر فائق تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میری زبان سے نکلا۔ "کیا میں اس وقت بادشاہ کا محل دیکھ رہا ہوں"۔

میزبان:۔ نہیں۔ مگر یہ ایک شریر اور لالچی شخص کا مکان ہے۔ اُس نے ارادۂ الٰہی و حکمت ایزدی کے خلاف خدا کے بندوں کی زمینیں اور ان کے مال کو چھین چھین کر اپنی دولت بڑھانے اور سب کو دبانے کا قصد کیا۔ اس پر قہر مطلق کا غضب نازل ہوا اور اب وہ عیش و آرام کا کچھ مزہ بھی چکھنے نہ پایا تھا کہ عذاب ایزدی نے اس کی دولت و ثروت کو اس کے لئے وبال کیفر کردار بنا دیا۔ اور وہ اپنی بدکرداریوں و نفس پرستیوں کے بد نتائج کا شکار ہو کر طرح طرح کے موذی امراض میں گرفتار ہو رہا ہے۔ اب نہ تجمل اُس کو اذیت عقاب سے بچاتا ہے۔ اور نہ روپیہ اُس کے آڑے آتا ہے۔ لوگ اُس کے سقیم حال سے عبرت پکڑتے اور خود ویسی حرکت کے ارتکاب سے بچنے کا سبق لیتے ہیں۔

میری نظر میں اپنے معزز میزبان کی وقعت اب بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔ میں اُن کے شریف خیالات اور عالی اخلاق پر دل ہی دل میں خوش

ہو رہا تھا۔ اور خیال کرتا تھا کہ ہمارے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کے مدارس جن میں بہت ہی باقاعدہ اخلاقی تعلیم ہوتی ہے اور حکمت و اخلاق کی پڑھائی رکھی جاتی ہے۔ ہرگز ایسے آدمی نہیں تیار کر سکتے جو ان عجیب و غریب انسانوں کے اخلاق اور فضائل کا مقابلہ کر سکیں۔ مجھے خواہش پیدا ہوئی کہ اس شہر کے طریقۂ تعلیم کا علم حاصل کروں۔ میں نے اپنے بزرگ دوست سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں کا کوئی مدرسہ بھی دیکھوں"۔

**میزبان**۔ (میرے سوال سے حیران ہو کر) "مدرسہ کیا چیز ہے"؟

**میں**۔ (اس کی حیرت سے بھی بڑھ کر تحیر بنکر) جناب! مدرسہ ایک مکان ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے بچے پڑھتے اور بڑی عمر کے آدمی ان کو پڑھانے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں"۔

**میزبان**۔ "اور وہ بچے بڑوں سے کیا سیکھتے ہیں"؟

**میں**۔ اپنی حالت سنوارنے کی تدبیریں اور معاش و معاد میں کام آنیوالی باتیں۔

**میزبان**۔ "ہمارے اس طرح کے شہر میں ایسے مقام کی کیا حاجت ہے۔ ہم سے بڑھکر بیٹوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور کس کو آتا ہے۔ ہم خود انکو تعلیم دیتے ہیں۔ تہذیب نفس اور مفید کاموں کے اصول پر ان کی تربیت کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے مدرسے۔ دستکاری کے کارخانے اور کھیتی باڑی کے مزرعے ہیں۔ انہی مقامات میں ہم اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں کہ تخم پاشی کا کیا طریقہ ہے۔ پھر انکو اگانے کی کیا ترکیب ہے۔ آلات زراعت کس طرح بنائے اور کیونکر کام میں لائے جاتے ہیں۔ اسی طرح انکو مکانوں کی تعمیر، کپڑوں کا بننا اور سینا۔

فرشتے کہاں ضروری کام سکھا دیتے ہیں۔ اور ہم عمل کے سوا کسی علم کو نہیں جانتے۔ اور کام وہ جو ہماری زندگی قائم رکھنے میں مددگار اور خدائے پاک کی عبادت کے لئے ہمارے معاون ہو سکتے ہیں۔"

**مَیں**۔ "اور کیا آپ کا کوئی حاکم نہیں جو حکومت اور انتظام سلطنت کرتا ہو؟"۔

**میزبان**۔ "ہمارا ایک سرپنچ ہے۔ حاکم کوئی نہیں۔ یہ سرپنچ ایسا آدمی ہے کہ ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس کی رائے کی پختگی کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اسی کو ہم نے اُن جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کے لئے منتخب کر رکھا ہے جو اتفاق سے ہمارے بعض افراد کے مابین غلط فہمی یا اختلاف رائے کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں۔"

**مَیں**۔ "کیا اس کی کوئی فوج بھی نہیں جو اس کی حکومت کو مستحکم بنائے اور اس کے احکام جاری کرے"۔

**میزبان**۔ "ہم میں سے ہر شخص اس کی فوج کا سپاہی اور اس کے محکمہ پولیس کا ملازم ہے۔ جو آدمی اس سرپنچ سے سرتابی کرتا۔ یا اس کی بات پر معترض بنتا ہے۔ ہم اس کو سزا دیدیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے اس سرپنچ پر پورا بھروسہ ہے۔ اور یہی کافی ہے"۔

**مَیں**۔ "کیا اس کا کوئی زندان خانہ بھی نہیں۔ جس میں مجرم قید کئے جاتے ہوں"؟

**میزبان**۔ "نہیں۔ ہمارے یہاں اول تو مجرم ہی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اور ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ تمام شہر کے آدمی اسکو نظروں سے گرا دیتے ہیں۔ اور ہر طرف سے اس کی بے وقعتی ہو جاتی ہے۔ کوئی اسکو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس سے بات تک نہیں کی جاتی۔ اور ہم میں سے ہر شخص نسبت ایسی ذلیل اور شرمناک زندگی کے اس بات کو بہت

زیادہ پسند کرے گا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے یا آسمان اس پر ٹوٹ پڑے۔ اُف! قوم میں زندہ رہنا ہر طرف سے دُور دُور پھٹ پھٹ کی صدا سُننا۔ ایسی زندگی سے تو موت ہزار درجہ افضل ہے۔"

ہم اپنی گفتگو اس درجہ تک پہنچا چکے تھے کہ شہر کی سیر سے بھی فراغت ہوگئی اور پھر ہم اُسی گھر میں آگئے جہاں سے سیر کے لئے نکلے تھے۔ گھر کے مکینوں نے خندہ پیشانی اور مرحبا کہنے کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ اور اپنے بزرگ سردارِ خاندان سے بغلگیر ہوئے۔

سچ تو یہ ہے کہ دُنیا کے تمام شہروں اور دیہات میں مجھے تو ایک گھرانا بھی اس خاندان سے بڑھکر خوش نصیب، بے فکر، مطمئن، اور ہشاش وبشاش نظر نہیں آیا ہے کہ بھائی باہم اُلفت وصفائی رکھتے ہیں اور میاں بی بی سچی محبت اور یکجہتی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی شہر "مدینۃ السعادۃ" یا خوشحالی کی بستی ہے۔ مَیں نے اسکو دیکھا تو اس کا ایسا گرویدہ ہوا کہ یہیں کی زندگی بھا گئی اور دل میں ٹھان لی کہ اب اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤنگا۔ مگر سائیں کے کھیل نیارے اور اُس کی قدرت کے راز نامعلوم ہیں۔ اگرچہ میرا اس شہر سے نکلنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن سنتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بدل نہیں سکتی۔ میرا وہاں رہنا مقدور نہ تھا۔ اور خُدا کو یہ منظور نہ تھا۔ رات آئی اور مَیں اپنے عمر رسیدہ میزبان کے گھر میں بسترِ استراحت پر دراز ہو کر سو گیا۔ مَیں کیا سویا میرا نصیب سو گیا اور مجھکو دونوں جہان سے کھو گیا۔ آہ۔ کیا کہوں حیرت آتی ہے اور زبان یاری نہیں کرتی۔ دل بیٹھا اور قلم کا سینہ شق ہوا جاتا ہے

مگر نہیں۔ مجھ کو کہنا اور افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ اُس خوابِ شیریں سے بیدار ہو کر میں نے اپنے آپ کو خاص اپنے گھر اور بستر میں پڑا پایا۔ نہ وہ میدان و دشت نشان تھا۔ نہ کوہ فلک شکوہ نہ مزرعہ تھا۔ اور نہ وہ خوش نصیب گنبد مدینۃ السعادۃ کی ہستی خواب و خیال سے زیادہ نہ تھی۔ اور اب اُس کی جگہ بدبختی سے بھری ہوئی زندگی اور سوسائٹی کی مصیبت مجھے پیس ڈالنے کے لئے آمادہ تھی حیف!

صد حیف!! میں یہ شعر پڑھتا ہوا بستر سے اُٹھا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

طبیعت پر غم کا بار حد سے سوا ہوا۔ اور دل گھبرایا۔ تو خیال آیا کہ لاؤ اس دلچسپ خواب کا نصیحت آمیز حال حاضرین بزمِ اُردو کا آویزۂ گوش اور ناظرینِ مخزن کا مسرحِ نظر بناؤں۔ ممکن ہے کہ کوئی سعید دل اس کی منزل بنجائے۔ اور وہ بھی میری طرح مدینۃ السعادۃ کا مشتاق بنے۔ کیونکہ اگر بہت سے دل ایسی ہی خواہش سے لبریز ہوں تو ہم اس شقاوت و بدبختی کے دیار کو بھی اُن کی ہمت مردانہ کے وسیلہ سے "مدینۃ السعادۃ" کا نمونہ بنا سکتے۔ اور ویسی ہی پُرلطف زندگی کا حظ اُٹھا سکتے ہیں۔

خالقِ ظلمت و نور۔ اور مقلب الامور کی توفیق کا رفیق ہونا شرط ہے۔ یہ جہل و بداخلاقی کی تاریکی اُس کے ایک لمعۂ فیض کی چمک سے کافور ہو جائیگی اور علم و اخلاق کی ضیا بارِ شمع افرادِ قوم کے کاشانۂ قلوب کو منور بنائیگی۔ اور یہی حالت ہمارے "مدینۃ الشقاوت" کو مدینۃ السعادت کی شکل میں بدل دیگی۔

محمد حلیم انصاری۔ ردولوی

# روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر

مارچ الفایت جولائی کے روزنامچہ میں وہ نامہ لکھوں اور معمولی دوستوں سے ملنے جلنے کا ذکر ہے اُس میں سے چند تاریخوں کا روزنامچہ بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

۱۲ مئی ۱۸۸۴ء | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ سہ پہر کو چند دوستوں کے ہمراہ ٹینس کھیلا شروع سے مطلع صاف تھا لیکن بعد ازاں طوفان آگیا۔ چونکہ ہم کافی ورزش کر چکے تھے اسلئے کالج میں واپس آئے۔ جونہی ہم کالج میں داخل ہوئے بڑے زور سے بارش ہونے لگی۔ شام کے کھانے کے بعد ہم شیلی[1] کے ہمراہ کافی پینے گئے۔

۱۳ مئی ۱۸۸۴ء | حسب معمول کام کیا۔ کڈ کو ٹینس کھیلنے بلایا۔[2] ڈنر کے بعد یونین کی مباحثے میں گئے اسپیچیں معمولی وجہ کی تھیں اسلئے دس بجے سے قبل کالج واپس آیا۔ ہندوستان سے ڈاک وصول ہوئی گھر پر سب بخیریت ہیں۔ گرسٹیرگ[3] کو آئندہ پنجشنبہ ٹینس کھیلنے بلایا ہے۔

۸۔ جولائی | والد بلجد کی ۱۴ جون کی لکھی ہوئی والا نامہ سے معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک شب میں چار مرتبہ زلزلہ آیا۔

۱۵۔ جولائی | تمام دن کام کرتا رہا۔ سہ پہر کو مس مورس[4] سے گرٹن کالج میں ملنے گیا۔ انہوں نے ازراہ مہربانی مجھے تمام کالج کی سیر کرائی۔ یہاں چند نئے کمرے تعمیر ہو رہے ہیں۔ کالج بہت خوبصورت ہے۔ اس کے برآمدے مجھے بہت پسند آئے۔ ورزش کرنے کے لئے یہ بہت اچھا مقام ہے۔ صرف یہ کہ بارش کے دنوں میں مطالعہ کرنے والوں کو ضرور برآمدوں میں کھیلنے والوں کے غل و شور سے تکلیف ہوتی ہوگی۔

---

[1] یہ صاحب یعنی Dr. A. E. Shipley. اب معزز عہدہ "ماسٹر" یعنی صدر اعظم کرائسٹ کالج پر فائز ہیں۔ Master Christs College.

[2] Mr. Hayde جنہوں نے ڈاکٹر کا پیشہ اختیار کیا۔

[3] Mr. Gerstenberg. جو ایک امیر یہودی خاندان سے تھے اور جو فوجی نوکری میں تھے۔

[4] Miss Morris. Girton College جو تھیں۔ انکے والد لندن کے مشہور سالیسٹر تھے جن کا مکان Park, Lane, London میں تھا جو امیروں کے رہنے کا مقام ہے۔ بعد میں Mrs. Mac. Mc Lachlan ہوئیں

۹۔ اگست ۱۸۸۳ء صبح اٹھا اور ۸ بجے ۵۱ منٹ والی ٹرین سے لندن روانہ ہوا۔ اپنے ایجنٹ ہنری اس کنگ کی پاس سے روپیہ وصول کرنے اور ہنڈی کا بل ادا کرنے گیا۔ ۱۲ بجے سے ۲ بجے تک اپنے استاد موزلی صاحب[1] کے ہمراہ گاڑی میں پھرتا رہا۔ کلب گیا جہاں سے بوش[2] اور سنٹر[3] برادران کو لنچ کی دعوت دی تھی۔ ناخدا احمد علی روگھی صاحب مینیجر بمبئی کے گروپ میں شریک ہوا۔ اسمیں ۲۳ مسلمان طالبعلم شریک ہیں۔ سوا پانچ بجے والی ریل گاڑی لی۔ اسلئے ساڑھے سات والی ٹرین پر اسٹیشن کنگز کروس[4] سے سوار ہو کر کیمبرج واپس آیا۔ ۹ بجے ۲۰ منٹ پر کیمبرج پہنچا اور ساڑھے نو بجے مسٹر اسکر براؤننگ[5]۔ فیلو کنگز کالج کیمبرج کے کمرہ میں داخل ہوا۔ جہاں سائی کیکل ریسرچ سوسائٹی[6] کا جلسہ تھا۔ میڈم بلیوٹسکی[7] صدر نشین تھیں۔ یہ بولتی بہت ہیں۔ پروفیسر ہنری سجوک[8] صاحب نے ان سے بہت سے سوالات کئے۔ مجھے تو اس سے کچھ نفع نہ پہنچا۔ میڈم بی کا مجھ پر کچھ اچھا نقش نہ بیٹھا۔

---

[1] Mr. H. N. Moseley, Barrister-at-Law.

[2] Now Dr. J. C. Bose, Prof. A. Science, Presidency Calcutta.

[3] Thomas, Mr. Hancock Sunn & Mr. Harold Sunn

[4] King's Cross.

[5] Mr. Oscar Browning, now, Principal Training College.

[6] Psychical Research Society.

[7] Madam Blavatsky.

[8] Professor Dr. Henry Sidgwick.

[illegible]

[illegible] Albemarle Street Station

[illegible] Avenue Hotel

[illegible] Holborn

[illegible]

پروفیسر موصوف کی موت کا واقعہ افسوسناک تھا اور جنازہ کے ساتھ علما اور غیر علما کا اس قدر مجمع تھا کہ اور کسی کے واسطے نہیں ہو سکتا تھا۔ لندن سے ایک مختصر جماعت اہلِ ہند کی ہار لیکر اور کچھ لوگ کیمبرج کے بھی آئے تھے

دسمبر ۱۹۰۴ء | اس وقت تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو انڈین بار[1] کے لئے جانا پڑے گا اور کامیابی کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن میرا منشا بیرسٹری کی زندگی بسر کرنے کا نہیں ہے۔ میرا مقصود دو چیزیں ہیں ایک تو تصنیف اور دوسری پولیٹکل زندگی (سیاست) ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی میں ایک یا دونوں مقاصد پر فائز ہو جاؤں۔ اس لئے مجھے اس وقت تک صبر سے کام لینا چاہئے +

## غزل

گورے ہاتھوں کو ترے ہم مدیدِ بیضا سمجھے
پیارے پیارے لبِ جاں بخش کو عیسیٰ سمجھے

کس توقع پہ ہو وہ دیدۂ بینا کا سوال
ڈر ہے اسکو بھی نہ وہ خواہشِ بیجا سمجھے

ضبط کرتا جو میں نالہ کو تو دم پر بنتی
ناصحا تو میرے رونے کی غرض کیا سمجھے

ایسے کافر سے مجھے رحم کی امید ہو کیا
جو مرے ذکرِ قیامت کا بھی سودا سمجھے

جانِ جاں کہہ کے اسے نقلِ سخن کرتا ہے
ہم نے قاصد تری گفتار کو جانا سمجھے

کر کے بسمل پہ تردد کہ نکل جائے نہ جاں
اسکو بھی کیا وہ مرے دل کی تمنا سمجھے

چومتے چومتے گھس ڈالا ہے عابد نے اسے
آستانے کو بتِ شوخ کے تم کیا سمجھے

---

[1] Indian Bar.

# ابنِ عربی

نام محمد محی الدین لقب سنہ ۵۶۰ھ سترھویں رمضان شریف یوم دوشنبہ کو شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد صادق شہبان مناقبِ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ پہلے محی الدین کے والد بزرگوار علی بن محمد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ انکو اولاد کی بہت تمنا تھی۔ جب ان کا سن پچاس برس کا ہوا تو اولاد سے نا اُمید ہو گئے۔ پھر بھی ایک سچے مومن کی طرح خدائے تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کر شیخ عبد القادر جیلانی کے پاس گئے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ حق تعالیٰ نے انکو الہام کے ذریعہ سے آگاہ کیا کہ بڑھاپے میں اولاد ہونا غیر ممکن ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص انکو اپنی اولاد ہبہ کر دے تو ممکن ہے۔ جس پر شیخ عبد القادر جیلانی نے فرمایا کہ میرے صُلب میں ایک لڑکا ہے۔ اُس کو میں نے تمہیں دیا۔ وہ اب تمہارے حصہ کا ہو گیا اور تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم اس لڑکے کا نام محمد رکھنا۔ اور میں نے اُسے اپنا لقب بھی عطا کیا۔ انشاء اللہ وہ اس اُمتِ محمدیہ میں نہایت جلیل القدر ولی ہوگا۔ علی بن محمد حضرت سے رخصت ہو کر مکان پر پہنچے۔ اسی شب کو انکی بی بی حاملہ ہوئیں۔ بعد نو ماہ کے ان کے ہاں محمد ابن عربی پیدا ہوئے۔ علی بن محمد انکو لیکر حضرت کے پاس گئے۔ حضرت نے انکو گود میں لیا۔ اور دینی دنیوی دُعاؤں سے انکو مالا مال کیا۔ تاریخ ولادت انکی یہ ہے: ؎

محی الدین پیر زندہ دل والا ہادی سالکانِ اہلِ زمیں

ہست سالِ ولادتش نعمت صاحبِ کشف مہدی ہست یقیں

بعض نے انکی تاریخ ولادت یوں لکھی ہے ؎

شیخ والاجناب بن عربی مقتدائے روحِ خدا طلبی

شیخ اکبر ز عارفاں بودہ در تنِ روزگار جاں بودہ

جامع نسخہ فتوحات ہست صاحبِ خرقہ و کمالات ہست

ہفتد ہم بود از مہِ رمضاں کہ در آفاق شد چو خورشید تاباں

بود ثانی شہر محی الدیں

سال مولودِ او ز ثانی ہیں

اس تاریخ سے ایک سال کا فرق ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ جمہور کے خلاف ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی علومِ ظاہری اور باطنی میں یگانہ دہر تھے۔ بعدِ فراغت شروع شروع آپکو علمِ حدیث اور تفسیر کا شوق پیدا ہوا۔ اور زیادہ تر اسی کا مشغلہ رہا۔ جس کام کو آپ شروع کرتے تھے اس کو انتہائے کمال کو پہنچانا آپ کا فرض تھا۔ بغداد کے ایک شیخ صاحب نے آپ کے حالات منضبط کئے ہیں۔ اس میں آپ کی تصانیف پانچسو سے زیادہ لکھی ہیں۔ قرآن مجید کی آپ نے چند تفسیریں مختلف طریقوں پر لکھی ہیں۔ جس میں ایک صرف ۱۶ پارہ کی ہے اور ۹۵ جلدوں میں ختم ہوئی تھی۔ ایک مختصر تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ جس میں اختصار اور عام محققین کا اسلوب مدنظر رکھا گیا ہے۔ ایک تفسیر آپ کی تصوف کے ڈھنگ پر ہے۔ حدیث شریف میں بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ امام مالکؒ کے مذہب کے پیرو تھے اور انہیں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ آپ شریعت کے جس قدر پابند تھے وہ آپ کی

کتاب فصوص الحکم کے خطبہ کی اس عبارت سے جس میں آپ نے اس خیال کی تائید کی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں: اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ قُیِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِیِّ فَتَقَیَّدَ وَقَیَّدَ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ کَمَا جَعَلَنَا فِیْ اُمَّتِہٖ مجھے خدا سے اُمید ہے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیگا جو شرع محمدی کے پابند کئے گئے۔ پس خود بھی اس کے پابند ہوئے اور دوسروں کو اس کا پابند بنایا۔ اور میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ میرا حشر بھی انہیں کے زُمرہ میں کرے گا جیسا مجھے اُن کی اُمت میں ہونے کا فخر عطا کیا۔

عبدالوہاب شعرانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ صاحب کہا کرتے تھے کہ جس کسی نے ایک لحظہ کے لئے شریعت سے باہر قدم رکھا وہ ہلاک ہوا۔ جس کسی کے عقیدہ کا یہ حال اور پابندیِ شریعت کا یہ لحاظ ہو۔ اس پر ایسی بے بُنیاد من گھڑت باتیں اُنکی طرف منسوب کرنا اور لوگوں کو اُنکی طرف سے بدظن کرنا کس قدر بدتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سُہروردی سے راستہ میں سرسری ملاقات ہوئی۔ یہی پہلی ملاقات تھی۔ اور بات چیت کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر دونوں کے دلوں کی کشش اور صفائی قلوب نے ایک دُوسرے کے حالات سے باہم آگاہ کر دیا۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین سُہروردی سے لوگوں نے ابنِ عربی کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ علم حقائق کے دریائے ذخار ہیں۔ ان کا علم و فضل ان کے بُشرہ سے ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

قائلینِ وحدت الوجود کے آپ امام اور مقتدا ہیں۔ فقیہوں کی تھوڑی جماعت اور صوفیوں کا بہت بڑا گروہ آپ کا معتقد اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

اور علمائے ظاہری ان کے سخت مخالف ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ لوگوں نے آپ کے خرقِ عادات اور کرامات کا بھی بہت بڑا ذخیرہ بتلایا ہے۔ مشائخ صوفیہ انکو امام الموحدین قرار دیتے ہیں۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ملک مغرب کا بادشاہ شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ ایک روز شیخ کو یک بیک خیال آیا اور خدا کی محبت دل میں پیدا ہوئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کسی جنگل کیطرف چلے گئے۔ اور مدتوں ایک غار میں رہکر عبادت کرتے رہے۔ جب آپ وہاں سے نکل کر پلٹے تو آپ کا سینہ علومِ ظاہری اور باطنی سے معمور تھا۔ اور جدھر آپ تشریف لیجاتے تھے وہاں انکے علوم کی روشنی پھیلکر لوگوں کے سینوں کو منور بناتی تھی۔ جنگل سے واپسی کے بعد آپ نے سیاحت کو پسند کیا اور آپ اس کے ذریعہ ہر شہر میں قیام کرتے ہوئے اپنی تصانیف سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ اور وہاں سے روانگی کے وقت اُس کو وہیں چھوڑ دیتے تھے۔ فتوحات مکیہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حلب کے رہنے والے تھے اور زیادہ تر قرطبہ[1] میں رہے اور وہیں انکو انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام سے علمی استفادہ حاصل کیا۔" شیخ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ میری نظر میں کوئی شخص محی الدین ابن عربی کے مبلغ علم کو نہیں پہنچا۔ لوگ ان کی تصانیف لکھوانے اور تلاش کرنے میں سینکڑوں روپیہ خرچ کرتے تھے"۔

ان کے مخالفین دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو بالکل ظاہر بین ہیں اور ان کے کلام کو مطلق نہیں سمجھتے۔ یا سمجھتے ہیں تو غلط معنوں میں۔ وہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور ان کے اقوال کے مخالف ہیں۔ دوسرا

---

[1] یہ تخت اندلس۔

وہ فرقہ ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ وہ حاسدوں کا گروہ ہے جنکو ہمیشہ نیک و بزرگ اور اُن لوگوں سے جو اُس زمانہ کے ممتاز تھے عداوت رہی اور اُن کا یہ کام تھا کہ جھوٹی اور لغو باتیں لکھکر یا کہکر اُن کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ عام رجحان اِدھر سے جاتا رہے اور لوگ بدظن اور مخالف ہو جائیں۔ جیسا عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ حسّاد نے فتوحاتِ مکیہ میں بہت سی جعلی اور جھوٹی باتیں بنا کر محض رشک و حسد سے لکھدی ہیں۔ جب میں ابوطاہر مغربی سے مکہ میں ملا تو اُنہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ فتوحاتِ مکیہ مجھے دیکر مقابلہ کیا تو وہ سب باتیں جو محض جھوٹ اور افترا پردازی پر دال تھیں نہ نکلیں۔ جنکو میں اُن کے کلام کی طرف منسوب ہوتے بارہا سُن چکا تھا۔ پس وہ سب عبارتیں جو اصل نسخہ میں نہ تھیں۔ میں نے اپنے نسخہ فتوحاتِ مکیہ سے نکالدیں"۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں۔ کہ ایسے ہی میری کتاب بحرالمورود میں لوگوں نے جھوٹی باتیں لکھ لکھکر کئی سال مجھے بدنام کیا اور واللہ میں اِن سب سے بری تھا"۔ ایسے ہی لوگوں نے شیخ الاسلام مجدّدالدین فیروزآبادی کی طرف سے امام اعظمؒ کے بارہ میں طعن و تشنیع لکھکر ابوبکر خیاط یمنی کے پاس بھیجدیا تھا۔ اُنہوں نے اُسے پڑھکر فیروزآبادی کو ایک خط ملامت کا لکھا۔ جس کا فیروزآبادی نے جواب لکھا کہ اِن باتوں کی میری طرف نسبت بالکل افترا ہے۔ آپ ایسی کتاب کو جس میں ایسی باتیں ہیں فوراً جلا دیجئے"۔ یہ باتیں کس کے ساتھ نہیں ہوئیں امام احمد حنبلؒ کے مرض الموت میں اُنکے تکیہ کے نیچے ایسے جھوٹے اور لغو عقائد کا لکھا ہوا کاغذ پایا گیا جن کا دل میں لانا بھی گناہ ہے۔ امام غزالیؒ کی تصانیف کے ساتھ حسّاد نے ایسی ہی نامعقول حرکتیں کیں۔ شیخ مجدّدالدین

فرشتا کیوی نے ان کی مدح میں چند شعر لکھے ہیں جس کا ایک موقع پر نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا:۔

وَصَاعَلَیَّ اِذَا مَا قُلْتُ مُعْتَقِدِی — دَعِ الْجُهُولَ یَظُنُّ الْجَهْلَ عِلْمًا
مجھ کو یہ سزاوار نہیں کہ میں اُنکو اپنا ہم عقیدہ ظاہر کروں — جاہلوں کو چھوڑ دو کہ وہ جہل کو علم سمجھتے ہیں

وَاللّٰهِ وَاللّٰهِ وَاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَمَنْ — اَقَامَهُ حُجَّةً لِلْمُؤْمِنِیْنَ جُرْهُمَا
خدا کی قسم خدا کی قسم خدا کی بزرگ ہستی کی اور اُس کی — جس نے محی الدین ابن عربی کو دین کی حجت اور برہان

اِنَّ الَّذِیْ قُلْتُ بَعْضٌ مِنْ مَنَاقِبِهٖ — مَا زِدْتُ اِلَّا لِعَلِّیْ زِدْتُ نُقْصَانًا
بیشک جو کچھ میں نے اُن کی مدح بیان کی — اسمیں میں نے زیادتی نہیں کی بلکہ شاید میری شریف سے کمی ہو

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ابن عربی کو بُرا کہتے ہیں اور اُن کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اپنے مُنہ کو بُرا اور ناپاک کرتے ہیں وہ ان تمام اقوال اور سندات کو کہاں پھینک دیتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی ہیں جنکو وہ خود بھی اچھا اور اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں۔ اتنے جلیل القدر بزرگ کو بُرا کہنا معمولی بات نہیں جس کی شان میں لوگوں نے ایسے ایسے منقبت کے جملے لکھے ہوں۔ امام نووی سے لوگوں نے انکے بارہ میں دریافت کیا۔ فرمایا: "تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ"۔ مومن کو گالی دینے سے انسان فاسق ہوجاتا ہے۔ نہ کہ اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی کرنا اور انکو بُرا کہنا۔ انکے اقوال و افعال اگر سمجھ میں نہ آویں تو بھی انکی اچھی تاویل کرنا چاہیے جبتک آدمی اُس مرتبہ کا نہ ہو لے جس کے بارہ میں کہنا چاہتا ہے انکے کلام کو جھوٹ نہ سمجھے۔

امام ابن اسعد یافعی۔ ابن عربی کے بڑے مداح ہیں اور لکھتے ہیں کہ انکو ولایت عظمیٰ حاصل تھی شیخ الاسلام زکریا سے منقول ہے کہ امام یافعی محی الدین ابن عربی کی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دیتے تھے۔

کہا کرتے تھے کہ جو جہالی اہل طریق سے انکار کرتے ہیں۔ تو گویا وہ چاہتے ہیں کہ پہاڑ کو پھونک کر اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ اور جو شخص اولیا سے عداوت رکھتا ہو وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے۔" شیخ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ابن عربی عارفوں کے ولی ہیں۔ اور نبی عربی کے قدم بقدم چلتے ہیں۔" امام فخر الدین رازی نے انکو بہت بڑا جلیل القدر ولی لکھا ہے۔ صلاح الدین صفدی علماء مصر کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جسکو علم لدنی والے کا کلام دیکھنا ہو۔ پس وہ ابن عربیؒ کی تصانیف دیکھے۔" باوجودیکہ ابو عبد اللہ ذہبی اور ابن تیمیہ انکے سخت مخالف تھے۔ مگر ایک مرتبہ ابو عبد اللہ ذہبی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا حقیقت ابن عربیؒ نے فصوص الحکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ کمال الدین کاشی نے انکو محقق اور صاحب کرامات اور کمالات فرمایا ہے۔ شیخ مجدد الدین کا خیال ہے کہ ان کا مکان ملک شام میں تھا اور وہیں انہوں نے تمام علوم کی اشاعت کی۔ وہاں کے علما نے ان کی تصنیفات کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ جامع التذکرہ میں شام کے بارہ میں ایک عبارت ہے "لَا تَسُبُّوا اَهْلَ الشَّامِ فَاِنَّ فِيْهِمُ الْاَبْدَالُ" جب یہ حکم مطلقاً اہل شام کے لئے ہے تو ابن عربیؒ کے بارہ میں کچھ برا کہنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خوبنجی شامی پر ایک مرتبہ شیخ محی الدین ابن عربی کی نظر پڑی۔ اسی وقت سے قضاوت کو چھوڑ کر ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان کے قدم بہ قدم چلنے کو فرض سمجھا۔ اور اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیدیا۔ شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں کہ جب شیخ محی الدینؒ شام میں تھے تو وہاں کے تمام علماء ان سے ربط و اتحاد رکھتے تھے۔ انکو محققین کا استاد خیال کرتے

تھے اور احترام کرتے تھے۔ حضرت کمال الدین زملکانی سبو شام کے جلیل القدر عالموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے بڑے مداح تھے۔ حضرت قطب الدین حموی جب شام سے اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ابن عربی کو کیسا پایا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان کو علم و زہد اور معارف میں بحر ذخار پایا جس کا کنارہ نہیں"۔ شیخ سراج الدین مخزومی نے ان کے مخالفین کے جوابات میں نہایت رد و قدح کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ ہم کو محض ناسمجھی کی وجہ سے فتوحات اور فصوص وغیرہ کا انکار نہ چاہیے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ جب یہ مکہ معظمہ میں تھے اور ان کا درس تدریس احادیث کا جاری تھا۔ اس وقت ان کے ایک شاگرد نے ایک کتاب لکھی جس کے جواب میں قلم برداشتہ انہوں نے فتوحات مکیہ لکھی۔ سراج الدین بلقینی سے لوگوں نے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے کلام سے انکار مت کرو۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اوائل عمر میں علم معرفت اور حقائق کے دریا میں غوطہ لگایا ہے۔ امام سبکی نے کہا ہے کہ شیخ محی الدین آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اور اس زمانہ میں علم و فضل کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ علمار محققین انکی ایسی عزت اور لحاظ کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بدر الدین سبکی نے جو شام کے شیخ الاسلام تھے۔ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم پر دو جگہ اعتراض کیے۔ جب سراج الدین بلقینی کو اس کی خبر ہوئی تو بدر الدین سبکی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ اے قاضی القضاۃ اولیاء اللہ کے انکار سے بچو۔ اور ڈرو اگر یونہیں تمہیں رد و قدح کا شوق ہے تو ان کے منکروں کا رد لکھو۔ ورنہ باز آؤ۔ انکی غلطی

نکالنے والے خود ہی سراسر غلطی پر ہوتے ہیں۔ مگر ہٹ دھرمی انکو سمجھنے نہیں دیتی"۔ عماد بن کثیر کا مقولہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے اقوال سے انکار کیا وہ مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ ہر کلام کے ہمیشہ دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔ اچھے لوگ اچھی جانب لیجاتے ہیں اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اور بد خیال اُسکو بُرائی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ فتوحات اور فصوص وغیرہ کو دیکھنے والے بھی ایسے ہی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک آدمی جو خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں۔ اور انکو علم باطنی بھی حاصل ہے۔ وہ کبھی ابن عربی کے اقوال کو خواہ وہ کیسا ہی انکو غیر ممکن معلوم ہوتا ہو۔ اگر شریعت کے خلاف نہیں (مگر علما ظاہر بین کا امتیاز نہیں۔ کیونکہ وہ کنہ کو نہیں پہنچتے اور نہ غور کرتے ہیں۔ ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں۔ انکو حقائق سے مطلق آگاہی نہیں ہوتی) تو ہرگز اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور ایک ظاہر بین علما وہ ہیں جنکو بجز پڑھ لینے اور کفر کا فتویٰ دیدینے کے کوئی کام نہیں۔ خدا سے لگاؤ نہیں تعلق نہیں۔ دُنیا میں پھنسے ہیں سمجھیں تو کیا سمجھیں۔ ایسے لوگوں کو البتہ دشواریاں ہیں کہ وہ ابن عربیؒ کے اقوال کو تسلیم کریں۔ اور انکار سے بچیں۔ کیونکہ اس ظاہری فرقہ کو دنیا میں سب چیزوں کو محال اور غیر ممکن کہدینا آسان ہے۔ جو لوگ ان کی تصانیف میں غلطیاں نکالتے ہیں۔ اور اعتراضات پیش کرتے ہیں وہ محض انکی بے سمجھی کی دلیل ہے اور کوتاہ بینی کا ثمرہ ہے۔ کلام تو اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ اعتراضات دائر کر دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ خرچ تو ہوتا نہیں۔ ابھی اگر حکم ہو جائے کہ ہر اعتراض بغیر چار آنہ کے اسٹامپ کے دائر نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر کچھ خرچ کئے اعتراض نہیں ہو سکتا

تو دیکھئے ابھی اگلے پچھلے اعتراضات جو بلا سوچے سمجھے کر دیئے جاتے ہیں
ایک بھی نہ ہو۔ ساری کتاب پر ایک جگہ بھی شبہ نہ پڑے۔ اور واقعی شبہ
بھی خرچ کی وجہ سے نکیا جائے۔ یہاں تو اندھے کی سی لاٹھی مار دیجاتی ہے۔
خواہ نشانہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح ابن عربی کے مخالفین کا حال ہے۔
جو جی میں آیا کہہ گئے۔ کچھ تدارک تو ہوتی نہیں۔ جس سے انکو تامل ہو۔ حضرت
آدم علیہ السلام سے لیکر آجتک برابر ہر بڑے شخص کی مخالفت ہوئی۔ ہر نبی
کے مخالفین بکثرت ہوتے رہے۔ اگرچہ ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ وہ
حق پر تھے مگر ان کے وقت کے بڑے بڑے آدمی ہمیشہ مخالفت اور
اعتراضات کرتے رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں شروع
سے آخر تک یہی حالت رہی۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور
ائمہ مجتہدین پر وہی مصیبتیں اور ملامت کی بوچھاڑیں برسائی گئیں۔ غرضکہ
ہر عروج والے کو اس وقت تک برابر اسی طرح کی باتیں پیش آتی رہیں۔
ابن عربی کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے بھی ایسا ہی
ہوتا آیا ہے۔ وہ خدا کے محبوب بندوں میں سے تھے۔ علوم ظاہری
اور باطنی کے یکتائے زمانہ۔ بے مثل و بے نظیر رہے۔ ان کی شان
میں سخت الفاظ کہنا دین و ایمان بگاڑنا ہے۔ بڑے بڑے علما اور
مشائخ نے انکو عزت کے الفاظ سے یاد کیا۔ انکو اپنا امام اور مقتدا
قرار دیا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایسے حقائق اور
اسرار سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر کتاب و سنت سے مدلل نہ پایا جائے
تو وہ مسئلہ موقوف رکھا جائے۔ مگر اس کی حقیقت سے انکار نہ کرنا چاہیئے
شیخ محی الدین ابن عربی کے آخر زمانہ کو حسب ذیل لوگوں نے پایا ہے۔

اور ان کی عزت اور توقیر کی ہے۔ اور انکو بڑے پایہ کا بزرگ امام تسلیم کیا ہے۔ جو خود بھی اپنے وقت کے اہل کمال تھے۔ شیخ شہاب سہروردی یہ ابن عربی کے بالکل معاصر تھے۔ اوحد الدین کرمانی نجم الدین رازی۔ مصلح الدین سعدی شیرازی۔ صدر الدین قونوی۔ مؤید الدین جندی۔ ابو الحسن مغربی شاذلی۔ ابو العباس برنی۔ ابن الفارض حموی مصری۔ عزیز الدین نسفی۔ ابن الصباح۔ فخر الدین عراقی۔ نجیب الدین بزغش شیرازی۔ برہان الدین ترمذی۔ نور الدین عبد الرحمن اسفرائنی۔ جمال الدین خورقانی۔ سیف الدین باخرزی۔ سعد الدین۔ ابو محمد عبد اللہ مغربی۔ مولانائے روم علیہ الرحمۃ نے بھی انکے آخر زمانہ کو پایا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

آخر کار آپ نے اٹھتر سال سات مہینہ نو دن دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کر کے ۲۲۔ ربیع الثانی شب جمعہ ۶۳۸ھ میں شہر دمشق میں دنیا کو خیرباد کہہ کر آخرت کی راہ لی۔ اور قاسیون پہاڑ کے دامن میں جو آجکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

## تاریخ وفات

عقل فرمود صاحب الارشاد سالِ ترحیلِ او بقدرِ زمیں

ایضاً

ابنِ عربی رہبرِ شرعِ رسول رہنمائے دینِ احمد محی دیں
گشت سر در سالِ ترحیلش عیاں از شہِ احسن محمد محی دیں ۶۳۸

سید محمد فاروق احمد (بریلوی)

تو دیکھئے ایک

# علم کا صحیح استعمال

ایک جوان آدمی۔ (ایک بوڑھے آدمی سے) "علم اچھی چیز ہے اور درحقیقت علم اچھی چیز ہے۔ دُنیا بہ نسبت پیشتر کے اب بہت ترقی کر گئی ہے۔ میری چھ سات سال کی عمر میں اس قدر معلومات نہیں تھے۔ جتنے کہ اب میرے لڑکے اسی عمر میں رکھتے ہیں۔ وُہ دُنیا کی ہر چیز کو کم و بیش جانتے ہیں اور ہر قسم کے مضمونوں پر بحث کر سکتے ہیں۔ جناب یہ تمام علم ہی کا کرشمہ ہے۔ کیا آپ میری رائے سے اتفاق نہیں کرتے؟"

بوڑھا آدمی۔ "نہیں۔ علم کی اچھائی اور بُرائی اس کے استعمال پر منحصر ہے علم اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔ کیونکہ ہم کو علم سے صرف کام کرنے کی مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور کام کرنے کی قوت اچھی اور بُری دونوں قسم کی ہو سکتی ہے"۔

جوان آدمی۔ "جناب! مَیں اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ علم بُرا بھی ہو سکتا ہے"

بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ مَیں تم پر ثابت کر دونگا۔ اور اس طرح کہنے لگا:۔

بوڑھا آدمی (۱) "جب ہم کسی گھوڑے کی طاقت پر قابو حاصل کر لیتے ہیں تو گھوڑا ہمارا مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ ہمارا اسباب لیجاتا ہے۔ گاڑیاں کھینچتا ہے۔ سواری دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب اس کی طاقت ہمارے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے تو گھوڑا لگام توڑ ڈالتا ہے۔ گاڑی توڑ پھوڑ دیتا ہے اور اپنے سوار کو گرا دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جوان آدمی ۔ "بجا ہے ۔ درست ہے"۔

(۲) اگر کسی بڑے تالاب کا پانی بذریعہ نالوں کے خارج کر دیا جاتا ہے تو یہ پانی کھیتوں کو سرسبز اور زرخیز بناتا ہے ۔ اگر اس تالاب کا پانی (نالے نہ ہونے کی وجہ سے) کناروں سے پھوٹ نکلتا ہے تو ہر چیز جو اس کے سامنے ہوتی ہے بہ جاتی ہے اور کھیت پامال ہو جاتے ہیں"۔

جوان آدمی ۔ بے شک ۔ بالکل صحیح ہے ۔ درست ہے"۔

(۳) کوئی جہاز جو اپنے سیدھے یا صحیح راستہ پر جا رہا ہو جلد منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے ۔ لیکن اگر راستہ غلط ہے تو جتنا زیادہ تیزی سے چلایا جائے گا اتنا ہی اپنی منزل مقصود سے دور ہوتا جائیگا"۔

جوان آدمی ۔ "آپ کا فرمانا بالکل صحیح و درست ہے"۔

بوڑھا آدمی ۔ "خوب ! اگر تم ان تینوں مثالوں کو بخوبی سمجھ گئے ہو تو میں خیال کرتا ہوں کہ تم اس بات کو بھی بخوبی جان گئے ہوگے کہ علم کو اچھا کہنے کے لئے ضرورت ہے کہ وہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے"۔ "علم کا اچھا استعمال" ہمارے لئے رحمت ہے ورنہ زحمت سے زیادہ نہیں"۔

جوان آدمی ۔ میں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ۔ بیشک علم ایک طاقت ہے اور اس کا "صحیح استعمال" ہی اچھا ہو سکتا ہے"۔

(ترجمہ از انگریزی)

محمد ابراہیم خاں تجلی ۔ (خوجوی)

# رات اور دن

ذیل کا مضمون مخزن کے قدیم قلمی معاون جناب سید راحت حسین صاحب بی اے۔ بی۔ ایل بھاگلپوری کا عطیہ ہے اور یہ دراصل اُس مختصر سے رسالہ موسومہ "نیرنگ ارض" کا اقتباس ہے۔ جسکو صاحب موصوف لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے تالیف کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ سید صاحب کی یہ سعی جمیل مُلک میں قبولِ عام کی نظر سے دیکھی جائیگی :-

بچپن سے تم دیکھتی آتی ہو کہ سُورج نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے اور ہر شخص نے اسکو یُوں ہی دیکھا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سُورج نہ نکلا ہو۔ اِس واقعہ کو دیکھتے دیکھتے ہم کو ایک ایسا ضروری اور ناگزیر قانونِ قدرت معلوم ہو گیا ہے کہ ہم پُورے اطمینان کے ساتھ اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ کل آفتاب ضرور برآمد ہوگا۔ جسوقت سُورج نکلتا ہے تو اُس کے نور سے تمام فضائے آسمانی مملو ہو جاتی ہے اور یکایک اُجالا ہو جاتا ہے۔ سوتی ہوئی دنیا میں ایک کھلبلی مچ جاتی ہے۔ پنچھی پکھیرو اپنے اپنے گھونسلوں سے باہر نکل کر ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔ جانور چارے کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں آدمی اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور درختوں کی پتّیاں جو ننھے قدرتی کیمیا خانے ہیں اپنی غذا تیار کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ غرض سورج کی گرمی اور اُس کی حیرت خیز روشنی تمام عالمِ حیوانات اور نباتات میں ایک تازہ رُوح پھونک دیتی ہے۔ پھر شام ہونے کو آتی ہے اور آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو تمام اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سردی محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا کے

کام دھندے بند ہو جاتے ہیں۔ فضائے آسمانی میں چاند سیر کرتا نظر آتا ہے تارے اُفق مشرقی سے نکل کر اُفقِ مغربی میں ڈوبتے جاتے ہیں۔ اچھا سچ بتاؤ کبھی بھی تم نے ان واقعات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور سُورج چاند یا ستاروں کی اس چل پھر کو اِک انوکھی بات سمجھ کر اس کے سبب کو دریافت کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔

دیکھو تو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زمین ساکن ہے اور آفتاب ستارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ چنانچہ اگلے لوگوں نے اس مغالطہ کو سچ مان لیا تھا اور اُن کا یہ خیال تھا کہ زمین اس عالم کی مرکز ہے۔ سُورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ جس طرح تم اس کو دیکھتی ہو۔ آج بھی اِکا دُکا آدمی ایسے ہیں جو اسی وہم میں پڑے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ زمین ساکن ہے۔ لیکن تحقیقات جدید نے اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جس طرح زُہرہ مریخ یا اس کے ساتھی ستارے آفتاب کے گرد چرخ کھاتے ہیں۔ اسی طرح زمین بھی ایک سیّارہ ہے جو آفتاب کے گرد گھوم رہا ہے۔ تم کہو گی کہ ہم صریح دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب ہر روز طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے۔ رات کو آسمان میں جگمگاتے ستارے چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس کو کیونکر مان لیں کہ زمین گھومتی ہے اور آفتاب ساکن ہے؟ میں تم کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سراسر تمہاری نگاہ کی غلطی ہے۔ ساون کے مہینہ میں اکثر تم نے دیکھا ہوگا کہ رات کو بادل کے چلنے سے چاند بھاگتا ہوا نظر آتا ہے بادلوں کو ہوا اُڑائے لئے جاتی ہے۔ لیکن دیکھو تو چاند دوڑتا نظر آتا ہے۔ دُوسری مثال مغالطۂ نظر کی ریل کی چال ہے۔ اگر ریل کا سفر تم نے کیا ہے تو دیکھا ہوگا کہ جس وقت اسٹیشن پر دو گاڑیاں ایک دُوسرے کے سامنے کھڑی

ہوتی ہیں تو ایک گاڑی کے چلنے سے دُوسری گاڑی جو کھڑی رہتی ہے چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اِسی طرح کی اور مثالیں ہیں جنکو خیال کرنے سے تم سمجھ سکتی ہو کہ ایک چیز کے چلنے سے دُوسری چیز جو ساکن ہوتی ہے چلتی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کو دیکھنے میں ہماری نگاہ دھوکا کھاتی ہے۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ زمین کے چرخ کھانے سے آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ میل کی دُوری پر ہے فضائے آسمانی میں سیر کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ وُہ ساکن ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ زمین کے چرخ کھانے سے ہم خود اُس کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ اِس لئے زمین کی چال ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ اگر تم ایک ہونہار لڑکی ہو اور کسی واقعہ کو دیکھ کر اُس کی وجہ کو دریافت کرنے کی تمہارے دِل میں چٹک ہے تو اس کو تم خود سوچ سکتی ہو کہ آفتاب گھومتا ہے یا زمین گھومتی ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تحقیق کرنے پر آؤ اور علم ہیئات کی بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ زمین آفتاب کے گرد گھوم رہی ہے۔ آفتاب اپنی جگہ پر قائم ہے۔

یہ ایک بات یاد رکھو کہ زمین جو ایک لٹو کی طرح چرخ کھاتی ہے اور ایک ہی مقام پر ٹھہری ہوئی وُہ گھومتی ہے بلکہ لڑھکتی ہوئی اپنی جگہ بھی چھوڑتی جاتی ہے اور اس طرح ۳۶۵ ½ دن میں آفتاب کے گرد اپنا دَورہ تمام کرتی ہے۔ زمین کی اس چال کو حرکتِ دولابی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جاڑا برسات گرمی یا بہار کی رُت ہر سال برابر جاری ہے۔ اور ایک سال کی رُت میں جب زمین شمس کے گرد گھوم آتی ہے کل موسموں کا دَورہ بھی پُورا ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رات اور دِن کے ظہور میں آنے کا

باعث کیا ہے۔ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے اور کہاں سے طلوع کرتا ہے؟ پُرانے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آفتاب ایک نورانی رتھ پر سوار ہے۔ دن کو تو وہ فضائے آسمان کی منزلوں کو طے کرتا ہے اور جب شام قریب آتی ہے تو مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور شب بھر آرام لینے کے بعد پھر صبح کو تازہ دم مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ طلوع اور غروب دونوں لفظ جو اس وقت تک ہماری زبان کے روزمرّہ میں داخل ہیں۔ اسی پُرانے خیال کی ایک یادگار ہے۔ ورنہ علم ہیئت کی تحقیقاتِ جدیدہ کو خیال کرو تو یہ دونوں الفاظ جن سے یہ بات تراوش کرتی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد چرخ کھاتا ہے بالکل بے معنی اور بیکار ہیں۔

اس قدر ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ آفتاب ساکن ہے اور زمین اُس کے گرد چرخ کھاتی ہے۔ تم رات اور دن کے عہد میں آنے کی وجہ کو آسانی سے سمجھ سکتی ہو۔ ایک آسان تجربہ بتاتا ہوں۔ لو اسی کو آزما کر دیکھ لو کہ رات کے بعد دن کس طرح آتا ہے اور زمین پر روشنی اور تاریکی کیونکر دورہ کرتی ہے۔ ایک بڑی گیند کو چراغ کی لو کے سامنے اپنے ہاتھوں سے دھیرے دھیرے گردش دیتی جاؤ۔ تم دیکھو گی کہ گیند کا آدھا حصّہ جو چراغ کے سامنے ہے وہ روشن ہے اور اس کے دوسرے حصّے پر جو اس طرف کو ہے اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ لیکن گیند کی گردش کی وجہ سے جو حصّہ ابھی روشن تھا وہ تاریکی میں چلا آتا ہے اور جو تاریکی میں تھا وہ روشنی کی طرف آجاتا ہے اور اس طرح یکے بعد دیگرے گیند کا ہر حصّہ اُجالے سے اندھیرے اور اندھیرے سے اُجالے میں آتا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح زمین کے چرخ کھانے سے جو آفتاب کے مقابل میں گھوم رہی ہے۔ دن کے بعد

رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ غرض زمین جس کے ساتھ ہم خود گھوم رہے ہیں جب ہم کو آفتاب کے سامنے لاتی ہے تو دن ہوتا ہے اور جب اُس کا رُخ گردش کی وجہ سے بدل جاتا ہے تو آفتاب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ہمارے لئے رات آتی ہے۔

جس وقت آفتاب ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو دُوسرے مُلک کے لوگ دیکھتے ہیں جو ہم سے مغرب کو واقع ہیں۔ غرضکہ ایک ہی وقت میں زمین پر کہیں شام کہیں صبح کہیں رات اور کہیں دن ہوتا ہے۔ جس وقت ہمارے ہاں دن ہوتا ہے اُس وقت امریکہ میں رات رہتی ہے۔ اور جب یہاں شام ہوتی ہے اور آفتاب ڈوب جاتا ہے تو امریکا میں صبح ہوتی ہے اور آفتاب طلوع کرتا ہے۔ غرض ہر مقام کا جداگانہ وقت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے ایک طرف کو رات رہتی ہے تو دُوسری جانب کو دن ہوتا ہے۔

زمین کے ہر حصہ پر رات اور دن کی مُدت برابر نہیں ہوتی۔ کہیں ایک مہینہ کا دن اور کہیں دو ماہ کا۔ یہانتک کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ۲۳½ درجہ آفتاب کی جانب کو جُھکی ہوئی ہے۔ تجربہ میں تم اپنے گیند کو چراغ کے سامنے ایک ذرا جُھکا دو تو دیکھو کہ اِدھر کا سرا باوجود گردش کے برابر روشنی ہی میں رہتا ہے اور دُوسرے سرے پر کسی طرح بھی روشنی نہیں پہنچ سکتی ہے۔ پھر اگر تم اپنی جگہ بدل کر خود ان کی دُوسری طرف کو چلی جاؤ تو دیکھو گی کہ گیند کا حصہ جو روشنی میں تھا اُس پر اندھیرا چھا گیا۔ اور جو حصہ تاریکی میں تھا اُس پر روشنی

دوڑ گئی - اس طرح قطب شمالی میں جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو زمین کے جھکی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہ چھ مہینہ تک صرف دائرہ اُفق ہی پر چکر کھاتا رہتا ہے اور اُس کی خوشنما شعاع اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے۔ لیکن زمین جو اپنی جگہ چھوڑتی جاتی ہے۔ جب آفتاب کے دوسری جانب کو چلی جاتی ہے تو قطب شمالی میں آفتاب غروب ہوتا ہے اور قطب جنوبی میں نظر آتا ہے۔ اور اس طرح زمین کے ہر حصہ پر رات اور دن کی مدت جداگانہ ہوتی ہے +

سید راحت حسین بی۔ اے۔ بی۔ ایل

---

# غزل

خواہش نہ زر کی اور نہ مطلوب جاہ ہے
درکار ہے تو اس کے کرم کی نگاہ ہے

یہ مجھ ستم کشِ تپِ اُلفت کا ہے نشاں
دل جل رہا ہے اور کلیجہ سیاہ ہے

اس کے فراق میں ہیں بلا کی مصیبتیں
دل کو قلق، جگر میں خلش، لب پہ آہ ہے

اُترا ہوا ہے عبرت و حسرت کا قافلہ
روندی ہوئی ہمارے لحد کی گیاہ ہے

یکساں ہوا یہ آنا نہ آنا شبِ وصال
خاموش آپ بیٹھے ہیں نیچی نگاہ ہے

بابِ کرم کشادہ ہے بچکر نہ جائیے
پیرِ مغاں کی شیخ جی یہ بارگاہ ہے

محوی نہ ہونگے تیرے بتانِ جفا شعار
کمبخت بیوفاؤں کی کیوں تجھکو چاہ ہے

محمد حسین محوی لکھنوی تلمیذ حضرت شوق

# کاغذی گھڑی

مائی ڈیر رام چندر! مخزن میں مشتہر کرکے جو بارِ احسان آپ نے میرے کندھوں پر رکھا ہے میں اس سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے میری بابت تو بی۔ ڈی وغیرہ لکھدیا۔ مگر یہ لکھنا شاید بھول گئے کہ آپ اپنے نام کا اختصار کرتے ہوئے آر۔ سی سے ڈرتے ہیں۔ (داس)

مسٹر رام چندر سے میری شناسائی پہلے پہل پنڈت بدّیا ساگر کے مکان پر ہوئی۔ انٹروڈیوس کرنے والے نے کہا تھا۔ مسٹر رام چند حال تاجر اور حاضرین مسکرائے۔ ہر بزم کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں اور ایسے فقرات کا مطلب وہی سمجھ سکتے ہیں جو اُن اصطلاحوں سے واقف ہوں۔ مجبوراً مجھے دریافت کرنا پڑا کہ حال کے اصطلاحی معنی کیا ہیں۔

پنڈت بدّیا ساگر۔ وہی جو اس کے لفظی معنے ہیں۔ مسٹر رام چندر مستقل مزاجی سے پتہ تبدیل کرتے ہیں کہ اس لفظ کا استعمال لازمی سمجھا جاتا ہے۔ کوئی محکمہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ نہیں گئے۔ اِن کی پوری تعریف کرنی ہو تو آپکو کہنا پڑے گا۔ مسٹر رام چند تاجر۔ سابق سرو فتر ملٹری ورکس۔ سابق گارڈ یوگنڈا ریلوے۔ سابق انسپکٹر پولیس۔ اور اسی طرح جس محکمہ کا نام آپکو یاد ہو۔ ایزاد کرتے جائیں اور میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کہیں غلطی نہ کرینگے۔

وقتاً فوقتاً مسٹر رام چند اپنے محکموں کے تجربات اور مشاہدات سے ہمیں مسرور فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر ضرورت پڑی تو اِن میں چند ایک

ناظرین مخزن کے مطالعہ سے گذرینگے۔ فی الحال مَیں اُن کا ایک تجربہ بیان کرونگا۔ جو عدن میں واقع ہوا۔ مسٹر رام چند نے میری کہانی میری زبانی بیان کی ہے اور مَیں اس فرض کو اُنہیں کے سکّہ میں ادا کرونگا۔ یہ کہانی آپ نے کاغذی گھڑی کے متعلق بیان کی تھی۔

مسٹر رام چند۔ "یہ گھڑی ہے مجھے افسوس ہے مَیں اس کے ملنے کا پتہ آپکو بتلا نہیں سکتا۔ مجھے ایک دوست سے بطورِ تحفہ ملی تھی۔ اور اس کے بنانے والے کا نام بھی کندہ نہیں۔ میرا خیال ہے۔ یہ امریکہ کی ساخت ہے۔ وہاں کاغذ سے بہت سی اشیا بنتی ہیں۔ کاغذ پر بوجھ ڈال کر ایسا سخت بنا دیتے ہیں کہ لوہے کا کام دے سکتا ہے۔ تار کے بٹے کاغذ سے بنتے ہیں۔ ہلکے پن اور مضبوطی میں ان کی نظیر نہیں۔ کبھی زمانہ سنگین تھا۔ کبھی آہنی۔ آجکل کاغذی زمانہ ہے۔ باریک سے باریک دھار کے اُسترے اور چاقو کاغذ سے بنتے ہیں"۔

مَیں۔ آپ اُس دوست سے اب اس کے ملنے کا پتہ دریافت نہیں کر سکتے۔

مسٹر رام چند۔ (دم سرد بھر کر) اب مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ مسٹر چڈھا یہ ایک بڑی عجیب داستان ہے۔

مَیں۔ مَیں ہمہ تن گوش ہوں۔

مسٹر رام چند۔ (مسکرا کر) خوب۔ پھر کچھ سوچ کر۔ اچھا سُن لیجئے۔ اب اس بات کو عرصہ ہوگیا۔ اور اس ڈراما کے ایکٹروں میں سے میرے سوا اسجگہ کوئی اور موجود نہیں۔ مَیں یہاں ملٹری ورکس میں ہیڈ کلرک ہو کر آیا تھا۔ مسٹر مارٹن اگزکٹو انجنیر تھے۔ بڑے خلیق اور بہت

خوش مزاج آدمی تھے۔ پہلے پہل مجھ سے یہی سوال کیا "ویل مسٹر رامچنڈ ہم تم کو کیا بولیگا"۔ یہ معمہ میرے لئے لاینحل تھا اور میں نے مکرر ارشاد فرمانے کی التجا کی۔ وہ پھر بولے "ہم تم کو۔ را۔ بولیگا یا۔ چنڈ۔ بولیگا" میں نے عرض کی کہ مجھے رام کہہ لیں یا چنڈ اور صاحب بہادر ہنسی سے بیتاب ہو گئے۔ میں حیران تھا کہ انہیں کہیں خلل دماغ تو نہیں۔ جب اُن کا مزاج کچھ ٹھہرا تو فرمایا "ویل رام۔ تم حیران ہوگا صاحب ایسا کیوں ہنسا۔ دیکھو ہمارا پاس تین کلرک تھا۔ ایک کا نام احسان اللہ تھا۔ ہم اسکو اپنا مافق بلایا مسٹر اللہ۔ مسٹر اللہ۔ اور وہ تینوں لوگ بہت ہنسا۔ بہت ہنسا اور بولا "صاحب ہم کو احسان بولیگا۔ اللہ تعالےٰ آسمان پر ہے"۔ پھر دوسرا روز ہم کو دوسرا آدمی سے کام تھا۔ اُس کا نام الٰہی بخش تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ الٰہی۔ الٰہی۔ اور وہ لوگ پھر ہنسا اور بولا "صاحب کفر بولتا ہے۔ صاحب اسکو بخش بولیگا"۔ تیسرا لوگ کا نام غلام نبی تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ غلام۔ غلام۔ اور وہ لوگ ہنسا۔ ہم بولا نبی نبی تو وہ اور زیادہ ہنسا۔ اور بولا۔ اکیلا نبی تو۔ گڈ اکیلا غلام تو بیڈ۔ اکیلا غلام بہت خراب۔ اکیلا نبی کہلانے کا ہم حقدار نہیں۔ ہمارا نام ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہو سکتا۔ ہم بہت گھبرایا۔ پھر جب انڈیا کا ڈاک آیا تو ہمارے پاس آیا۔ سب کا نام کا پہلے بی لکھا تھا۔ ہم بولا بی احسان اللہ۔ بی الٰہی بخش۔ بی غلام نبی اور وہ لوگ ہنسا ہنسا بے تاب ہو گیا۔ حرف بی صاف لکھا تھا۔ لیکن وہ لوگ بولا "بی نہیں بولیگا۔ بابو بولیگا۔ جس مافق میم۔ آ

مسٹر بولیگا۔ بی کا معنی میڈیم ہوگا۔ بی عورت کو بولیگا۔ ٹم سمجھا؟ اب ہم پہلے نام پوچھتا اور خوب پوچھتا۔ میرا خیال ہے مسٹر بھگوانداس آپ کے نام پر بھی اُسے یہی دقت پیش آتی"۔

میں۔ لیکن میں نے اب پیش بندی کر لی ہے۔

مسٹر رامچند۔ اگر کوئی اہلِ دُنیا کے ناموں کا مطالعہ کرے تو دلچسپی سے خالی نہ ہو۔ انگریزوں کے نام دیکھئے۔ چھٹی کی طرح ایک سرنام درکار ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سرنام تھوڑے عرصہ میں فضول اضافہ رہ جائیگا۔ ایک مارٹن سے ایک نسل میں اگر دو مارٹن بنیں تو دوسری نسل میں چار۔ تیسری میں آٹھ۔ چوتھی میں سولہ۔ پانچویں میں بتیس اور اس طرح بیس نسلوں تک بیشمار مارٹن ہو جائینگے۔ اور پھر یہ سرنام بجائے خود بڑے عجیب ہیں۔ ڈکشنری لیکر ان ناموں کے معنے دیکھو۔ بلیک وڈ کا لا جنگل یا کالی لکڑی۔ واٹر فیلڈ۔ پانی کھیت۔ عجیب نام ہیں۔

سرنام کی دقت شائد سب سے پہلے اہل گوا کو محسوس ہو۔ وہاں پادریوں نے عیسائی کرتے وقت ہندوستان کی طرح مسٹر جمعہ مسٹر نتھو۔ مس رجی وغیرہ نام نہیں رہنے دیئے۔ بلکہ ہر ایک پادری نے نئے عیسائیوں کو اپنا اپنا نام سرنام کی جگہ دیا ہے۔ اور اب ملک گوا۔ ڈی سوزا۔ اور فرڈ نینڈز وغیرہ ناموں سے ٹپا پڑا ہے۔ پادریوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ انگلیوں پر گنے جاتے تھے اور ہزاروں کو ان کا نام اختیار کرنا پڑا۔ مگر سب سے عجیب نام جو میں نے سُنے ہیں وہ مشرقی افریقہ کی میانمیزی قوم میں ہیں۔ جب پہلے پہل یوگنڈا ریلوے پر کام شروع ہوا تو میانمیزی قلی منگوائے گئے۔ یا تو ان لوگوں

میں نام کا رواج ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اہلِ ہند کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ٹائم کیپروں کو اِن کا نام آپ رکھنا پڑا۔ اور جو لفظ اُن کے خیال میں آیا۔ نام رکھدیا۔ پہلے تو گھر کے سامان سے شروع کیا۔ کسی کا نام صندوق اور کسی کا کمبل رکھدیا۔ مگر یہ نام جلدی ختم ہوگئے اور پھر دنوں کے نام ہفتہ۔ اتوار۔ سوموار وغیرہ یہ تو کل گنتی کے سات نام ہیں۔ پھر وقت شروع کیا۔ کسی کا نام بارہ بجے ہے اور کسی کا ڈھائی بجے۔ کسی کا صبح۔ کسی کا شام۔ کسی کا نصف شب یہ ذخیرہ ختم ہوگیا تو متفرقات شروع ہوگئے۔ اب گرم پانی۔ آٹھ آنے۔ چونی۔ دونی۔ ولائتی پرندہ۔ بندوق کھلا دروازہ۔ اور بند کھڑکی وغیرہ نام مقرر ہونے لگے۔ اور اب تک جاری ہیں"۔

**مَیں**۔ "گروہ کاغذی گھڑی"؟

**مسٹر رامچند**۔ ہاں وہ کاغذی گھڑی۔ جن دنوں مَیں عدن میں آیا ہوں تو میرے پاس کوئی نوکر نہ تھا اور مَیں نے سوچا کہ مزدوروں میں سے ایک آدمی کو جو کھانا پکانا جانتا ہو لے لونگا۔ اِس خیال سے مَیں اُس طرف گیا جدھر مزدور کام کر رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی اور ایک چھوٹا لڑکا آپس میں کھیل رہے ہیں۔ اُس کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ عدن میں اور عدن کیا تمام افریقہ میں ہندوستانی عورت ایسی نظر آتی ہے جیسے جنگل میں پھول۔ مہ وشانِ یورپ کو آپ ہر کہیں دیکھینگے۔ ویران جنگلوں میں دشوار گذار پہاڑوں میں۔ کوئی جگہ اِن سے خالی نہیں۔ مگر ہندوستانی عورت نایاب منظر ہے۔ جو اہلِ یورپ وطن سے سیدھے افریقہ کو آتے

ہیں برقعہ پوش عورت کو دیکھ کر عجب لطف دکھلاتے ہیں۔ پہلے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہیں۔ اور پھر کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ ایک کو تو میں نے ایسا کہتے سنا کہ یہ واکنگ ٹنٹ (چلنے والا خیمہ) عجب ایجاد ہے۔

اس لڑکی کا لباس کچھ ایسا اچھا نہ تھا۔ مگر حسنِ صورت کسی چیز کا محتاج نہیں۔ کہتے ہیں ع رنگ لایا ہے دوپٹہ تیرا میلا ہو کر۔ بادلوں میں نیم پوش چاند اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی بھولی صورت پر لباس کی سادگی بھی سماں دکھلاتی تھی۔ سادہ فانوس میں شمع کی چمک کچھ تیز ہی دکھلائی دیتی ہے۔ اور اگر اس کا حسن درزی کا مرہونِ منت اور جلاہے کا شرمندۂ احسان نہ تھا تو کچھ خسارہ میں بھی نہ تھا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک مزدور کی لڑکی تھی۔ باپ اور بڑا بھائی دونوں کام کرتے تھے۔ باپ کا نام تلسی تھا۔ بڑے بھائی کا نتھو۔ چھوٹے کا بشیر۔ اور اپنا نام ویرو۔ بندہ مزاحی تھی۔ تلسی کھانا پکانا جانتا تھا اور میں نے اسے کام سے ہٹا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اب وہ میرے پاس ہی دن بھر رہتا تھا اور بشیر اور ویرو بھی دن بھر وہیں کھیلتے۔ وہ دن عجب چین میں گذرے۔ شام کو جب میں دفتر کا کام ختم کر کے گھر آتا تو تمام تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ یہ لطف مگر اسی دم تک رہا جب تک میری نگاہ صاف رہی۔ اور میری نگاہ بھی دیر تک صاف رہتی۔ اگر ایک واقعہ نہ ہو جاتا۔ وہ لڑکی دم بھر میں بچہ اور دم بھر میں جوان معلوم ہوتی۔ اور میری خوشی صرف اس کو دیکھتے رہنے میں تھی۔

(باقی آئندہ)

# مکٹ دھنباد

## شری شکتیمان مہاراج دھراج دیش سوامی جارج پنجم و مہارانی دھرانی دیش دیوی بھارت ماتا مہارانی میری

مولینا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی ایک قادر الکلام باندان اور سخنور اور پرانے اہل قلم اصحاب میں ممتاز بزرگ ہیں اور ان کے کلام سے تجدید ملک مشرقیہ کا دعویٰ بھی حق بجانب ثابت ہوتا ہے۔ صاحب ممدوح نے ہمیں ایک بھاشا نظم تہنیت جلوس تاج پوشی ملک معظم قیصر ہند دام ملکہ پر مخزن میں شائع کرنیکے لئے ارسال کی ہے۔ نظم کیا ہے سلک جواہر ہے۔ جس میں ہندوستان کی پاکیزہ ترین قدیم زبان برج بھاشا کے انمول جواہرات پروئے ہوئے ہیں۔ اور چستی مضامین کے ساتھ بندش الفاظ کی درستی ایسا حسن ہے کہ خاص اس نظم کا حصہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ ملک معظم قیصر ہند کی تشریف آوری ہندوستان اور اورنگ نشینی کا جشن منانے کے موقع پر ہر زبان کے صدہا خطبات۔ قصائد۔ اور نظمیں پڑھی جائینگی اور پیش ہونگی۔ لیکن یہ نظم غالباً سب سے اچھی اور اچھوتی اور اخلاص سے بھری ہوئی ثابت ہوگی۔ ہم اپنے کرم بزرگ شوکت صاحب کے کمال شکر گذار ہیں کہ انہوں نے مخزن کو اس نظم کی ودیعت کے لئے منتخب کیا۔ اور امید ہے کہ آیندہ بھی وہ

اپنے نتائج افکار سے مخزن کے صفحات پُر از گل و ریاحین کرتے رہیں گے۔ (ایڈیٹر)

---

جناب ایڈیٹر صاحب مخزن!

آپکو معلوم ہے کہ میں مجدد السنۂ مشرقیہ (اورینٹل رفارمر) بھاشاؤں کا اوتار اور کویشر ہوں اور اردو۔ فارسی۔ عربی میں مثل شعرائے سلف اعلیٰ درجہ کی نظم و نثر لکھ سکتا ہوں اور لکھ کر اخباروں اور رسالوں میں شائع کر چکا ہوں۔ مذکورہ بالا زبانوں میں تو اپنی بساط و حیثیت کے موافق دوسرے شعرا بھی لکھ سکتے ہیں۔ مگر بھاشا زبان میں اس پایہ کی نظم لکھنے والا ہندوستان میں ایک بھی نہیں اور چونکہ بھاشا کروڑوں ہندوستانی کی موہنی اور سوہنی زبان ہے۔ پس میں نے جنرمجسٹی ملکۂ معظم اور ملکۂ معظمہ کی تہنیت تاجپوشی میں بھاشا ہی کے میدان میں توسنِ قلم کو گرم مہمیز کیا اور مندرجہ ذیل نظم لکھی۔ مجھے نہ خطاب کی خواہش ہے نہ تمغے کی ہوس۔ شمس العلما وغیرہ خطاب یافتہ بہت سے موجود ہیں اور ہو جائینگے۔ مگر میرا کمال علم و فن ایسے انعامات سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ مجھے پبلک نے اورینٹل رفارمر کا اعلیٰ خطاب عطا کر کے تمام خطابات سے ممتاز و مستغنی کر دیا ہے ؎

نسبۂ فقہ و علم کی حقیقت ہم ۔۔۔ لیا مجھ سے مری تمنت عالی نے مجھے

اگر ہندوستان میں کوئی شخص ایسی نظم لکھ دے تو میں پچاس روپے انعام دینے کو تیار ہوں۔

سَن سَن پون چلت چھو یائی ۔۔۔ کوشومت راج نوین لائی

گھورت گرجت نبھ گھن برست — سوہا برسات کنچن برست
کال گیو اب برست آوے — سگری پرجا موتی روے
بادل جھومت بجلی کرکت — ڈست اسنت کی چھتیں دہرکت
مول کند بھوم اپجت ایسے — ودیا بڑھت ہیں سجن جیسے
برست بادل کارے کارے — ندی تلاو اُمنڈت ہیں دھارے
رہس رہس نبھ دامنی دمکت — آس پاس جل جگنوں چمکت
ڈالی ڈالی ممولا گاوت — وید منتر جس بپر سناوت
دیکھت جھمکت ہیں نین ڈوے — جل بچ جیسے ہیں مدھ کے کٹورے
پھیلت چمپا اپجت بیلی — گجرے پہنت سگری سہیلی
داور جھینگر گھن گن گاوت — مدھو کر بن مدھ من للچاوت
کرت پپیہا پی تو پی تو — کوپل کوکت کو کو کو کو
مور وانرت کرت بن ماہیں — کوسوں ڈھونڈت کا گانا ہیں
جنگل جنگل پھول کھلت ہیں — کند سینہ سے مول ملت ہیں
چن پرابت ہے بے من بھولا — نرناری مل جھولت جھولا
رین رشی سکھی دیکھت بھورا — چندر سے جس آنند چکورا
گھن جل اتھاہ سمندر میں کیسے — گربھت گیانی ہری میں جیسے
رین دنان نبھ جگھٹ بادل — چندر اور سورج کے گھونگٹ بادل
لندن وشا مہاتما دھارن — سندر شوبھا راج کے کارن
دھن مہاراجا جارج پنجم — راج کرو مہا پرلے تک تم
وہلی تکھت پہ دم دم دھارو — نت نت دھارو جم جم دھارو
جیو سے تن میں پراجے تم ہو — راجوں کے مہاراجے تم ہو

ہمرے نین اور چرن تمہارے — جے جے ماتا۔ دھن بھاگ ہمارے
شکتی سیں راج استھان براجت — شوبھا راج تمہیں کو ساجت
ایشور شکتی کاج ہیں تمرے — سورج چھپت نہیں راج میں تمرے
دھن دیوی میری مہارانی — تمرے بیری کی جگت میں ہانی
بھارت ماتا کی ماتا تم ہو — دیش بدیش کی داتا تم ہو
دیش کی گوتھوں کے سگرے بچے — تمری سیوا کے ہیں سچے
تمری برہ میں سگرے مگن ہیں — راج سے تمرے لگائے لگن ہیں
تمرے بچے ودیا پاوت — راج استھان سے چت ہیں لگاوت
ودیا کا دیا بالا تم نے — کر دیا دیش اجالا تم نے
اتر دکھن پورب پچھم — برٹش راج استھان گرٹت تم
سبن پہ تمرے بکٹ ہے ایسے — مکٹ اکاش کا سورج ہو جیسے
بھاری بھرکم تمرا کھانڈا — ڈسٹ کا جس سے پھوٹت بھانڈا
دیش ہو تمری کرپا سیتی — جل کی شرن پھلت جس کھیتی
تمرے کو نیوت شامی رومی — تمری دیا میں جگت کی بھومی
مول تمہارا بیاج تمہارا — چکرورت ہو راج تمہارا
پرلے تک تم دیش میں دھارو — دیش کی نیا پار اتارو
دیش کا شدہ ہو کاج تمہیں سے — اسکو ملے سو راج تمہیں سے

پوڑی کے ہیں ہو مر شوکت
بھاشاؤں کے کو شیر شوکت

مجدد السنہ مشرقیہ شوکت میرٹھ

# تہنیتِ تاجپوشی

مرحبا اے آمدِ باد بہاری مرحبا — اے نزولِ رحمت و الطافِ باری مرحبا
اے حلولِ جان بجسمِ شہریاری مرحبا — اے بہ ملکِ ہند رسمِ تاجداری مرحبا

جارج پنجم چوں بہ تختِ ہند در دہلی نشست
تخت و بختِ ہند باں نقش بر کرسی نشست

ایں دو صد سالی کہ تا ایندم بپایاں آمدست — دودہ ات داد و عنانِ ملکِ ہندستاں بدست
باندانیم اینکہ ما را بر چگوں فرمانده است — شکر للہ کو ترا آمادہ بر دے ساختست

تا دو اعمی دیدگانِ صاد ایں ہر دو صدی
از جمالِ قیصری یابند نورِ سرمدی

وہ چہ قیصر قدرِ دلہا زانکہ آباداں تو است — واز لقائش ہر دلِ ناشاداں شاداں تو است
ہر کہ قدرِ او نداند در جہاں نادان تر است — بندہ اش شد ہر کہ از بندِ غم آزاداں تو است

ملک و دولت جاہ و حشمت سطوت و عز و جلال
ہر چہ دادندش برون است از حدِ وہم و خیال

گر ترا شاہنشہ شاہانِ عالم کردہ اند — ہم مرا مدحت گرِ ایں خیر مقدم کردہ اند
بر زمیں شاہاں سرِ تسلیم اگر خم کردہ اند — آیتِ نصرت ملائک از فلک دم کردہ اند

زانکہ ہستی قصرِ عدل و داد را ذات العماد
ذات والا بیت عمودِ سلطنت تا دیر باد

بودہ در باغِ ہستی آن درختِ بارداد — میخورد یک عالم از وے میوہائے خوشگوار
سایۂ اش راحت رسانِ خلق چوں ابرِ بہار — زانکہ ہستی در حقیقت سایۂ پروردگار

حق ترا بنواخت و تو خلق را بنواختی
ساخت حق کار ترا تو کار عالم ساختی

تے قطعات هند و هند و ... یورپ و افریقه و امریکه آشت کرده اند
تاج بخش تاجداران جهانت کرده اند محکمان بر حکمرانان امانت کرده اند

بسکه داری بهتر اوصاف رعایا پروری
زان سبب بخشید حق بر شهرانت سروری

هیچ ملکے نیست در دنیا چو ملکت شاد تر هیچ جائے نیست در گیتی چنین آباد تر
هیچ سلطانے نباشد چون تو ذوالاشاد تر چون رعایایت نباشد دیگرے منقاد تر

هر چه هست این در حقیقت ثمرهٔ عدل است و داد
آنچه در صلب نیاکانت ودیعت حق نهاد

چیست تا شاهنشه شاهان ترا ورزیده اند چیست تا راس السلاطین ترا نامیده اند
وسعتے در سلطنت چندان ترا بخشیده اند شاه خاور را هم از خدمتگرانت دیده اند

گر نه باشد نور بر ملکے ز ملک آنجناب
تا بجا از بر سطح گردون نیست تاب آفتاب

اینهمه فیض بزرگانت همی آید نظر اینهمه از کار آیایت همی بخشد خبر
اینهمه از ورثهٔ ایشان ترا دادند اگر هم ترا تقلید شان فرمودن است امر دگر

شاد باش از تخت و بخت و شغل عدل و داد دار
ملک را آباد دار و ملکیان را شاد دار

گر کسے پرسد من از حالت این ملکت در اصول نظم و نسق و عدل و جود و کرمت
گویمش از صدق دل حاشا بروئے مولت حقیقت رحمت حق هست بر تخت سلطنت

حیف بر کسان که ترا قدر بالمثل نفهمند

نعمت بخشید و حق را ناگهان دریافتند

وسعت این اقلیم هند و این تجلی از کجاست
علم و فضل و دانش و سعی تعقل از کجاست
این مدارس این مطب این تاریخی از کجاست
این مناسک این مراکب و ترقی از کجاست

در مقام خشک هر سو نهرها جاری ببین
رقبهٔ مرطوب باهم از تری عاری ببین

این فراش ها که بینی وسعت راحت بود کے
این ترقی ها که بینی در تجارت بود کے
این تکلفها که بینی در عمارت بود کے
این تدبرها که بینی در عدالت بود کے

هیچکس از ما است کو بکشید این فوتوگراف
هیچکس از ما است کو بکشید این فوتوگراف

اینقدر نعما که گفتم هست نیمی از هزار
کان شمارا در تمدن روز و شب آمد بکار
شکر هر یک بر شما واجب است از کردگار
گر ادا کردید رستید از غم روز شمار

چیست تدبیر ادا بودن مطیع بادشاه
از تمرد ها نکردن دین و دنیا را تباه

ما اگر هستیم در راه وفا ثابت قدم
هست شاهنشاه باهم چشمهٔ جود و کرم
بعد ازین کل عالمان و قابلان هم
در امور سلطنت خواهند زوم و مبرم

آے برادر نیست آسان لیکن این کار بزرگ
کن بزرگان را بزرگی گر شدن خواهی بزرگ

ورنه محض از علم و دانش خویش را آراستن
بر بزرگان جستن و جائے بزرگان خواستن
هست قدر علم و فضل و عقل و دانش کاستن
خویشتن را در لباس سرکشی پیراستن

نیست این استطلاب بیش از سوائے خام
بلکه هست این مستدراه کامیابی یا تمام

هست میگوئم بروئے اعتقاد و مذهبی — هست اینجا بر اجتهاد آنکه شخصے اجتهادی
آنقدر در علم و فضل او هست دانا و صبی — میگرفت از وے سبق هر یک کلاں و صبی

در دمے شد زاندہ در گاہِ رب العالمیں
از تمرد آنکہ جائش بہ چہ ہفتمیں

هم ازینجا فرض بر اطاعت رب العلی است — هم ازینجا فرض بر اقتدائے مصطفی است
هم ازینجا فرض بر اتباع بادشاہ است — تنگ گردون یک ازیں هر سہ بغاوت بعد است

نیست غم چندان اگر کردیم دنیا را خراب
هست در روز جزا دادن خدا را هم جواب

گرچہ هست اینجا مراد وے سخن با مسلمیں — زانکہ میدارند ایشاں کتاب اللہ یقیں
دیگراں هم گر شمارندش بدانش همتریں — یعنی کل هندی برادر هیئت بهتر ازیں

هست ناطق اندریں معنی اگر قرآن پاک
دیگراں را مستفید از وے شدن دارد چہ باک

هست مذهب کے را با کسے گر اختلاف — نیست ایں وجہ ملال و بخش و جنگ و مصاف
اہل یورپ را اگر ما بین وے هیں اختلاف — گرچہ در مذهب یکے با دیگری دارد خلاف

ولے بر ما هندیاں کاناں چنیں عذر ایک
روز و شب با هم گر برپا همیدارند جنگ

میشود برباد ازاں آبرو و مال و جاں — زیں طرف در کشمکش سائر گروہ حکمراں
آخرش زیر قصاص کنند یا بند گراں — بیخ کیں محکم کنند اندر دل پیر و جواں

تا قیامت برگ و بار او شود سوزان بروح
زانکہ استیصال او را هست کاخی عمر نوح

گر بخیر مقدم شاہنشہ والا تبار — هر طبق از هندیاں قائم کنند ایں یادگار

کاین نفاق قوم و مذهب نیز سازد نغز و آ  تا بود راضی شهنشاه و شود خوش کردگار
میتواند شد چنین یک خوشترین نغمه
یادگار آمد شه را همین افسانه

آن شهنشاهیکه چون شد عازم هندوستان  ابر رحمت بارا کردند از اول روان
تازند از پیش پیشین خیمه شاه جهان  تا نماید ملک را شاداب تر از هر کران
وسنه بر زا مساک باران کل زمین خاکستری
واز برای نام بد در دیده مردم تری

شکر لله کو به یمن مقدم آن شهریار  کرد ما را از غم قحط و گرانی رستگار
بارش باران رحمت باز بین آن کردگار  کان کند ما را حیاتی در تن زار و نزار
مے وزد باد خنک هر جا که بنشینیم ما
سبزه زارے در نظر هر سو که می بینیم ما

آن شهنشاهے که در شان رعایا پروری  نیست شایان را بدو تاب و توان همسری
هم از ینجاست این تکلیف تشریف آوری  تا کند خود بر رعایا ظل شفقت گستری
تحفه مرقومه بالا دهند از خاص و عام
خوش خوش این اخبار رود شاهنشه والا مقام

وسنه باز است این فساد و فتنه باز این دو گیر  باز این جنگ و جدل از این فغان است و نفیر
من نمی دانم که چندان است پر جوش این عمیر  میتوانم یافت کز هر قطعه ملک این نفیر
اے برادر هست وقت اتفاق و اتفاق
دور کردن باید از ملک این نفاق و این نفاق

نیست شایان حمله کردن بر حقوق همدگر  زانکه بر او شاهست آن شهنشه داوگر
میرسد کز نیک و بد هر لحظه اش زینجا خبر  نیست هرگز حالت یک ذره بر وی مستتر

آنچه در دلها است باد آنهیش از طرز کل
میرسانند ابکار آشتی بلا و دو و بدل

پس از آن دیگر سازیم انجمن قائم دوام — کے تواند بود غافل این گروه حکمران
کز زمین بگذشته میگیرد خبر از آسمان — میکشاید راه بر قبر نجم و مهر از کهکشان

پس ز هر نیک و بد ما واقف این فرمانروا است
بهتر از وے هست اگر دانا تری ذات خدا است

شد پے اصلاح حال هندیان چون لازمی — اتباع بادشاه و اتفاق باهمی
باهمه رائیکه کردن هم بفرط همدمی — بر سر آغا خان و مسٹر گوکھلے باید همی

تا پے این هر دو کار این هر دو سردار قوم
میتوان کردن بپا چند انجمن در چند بوم

قائم از این انجمنها شد بکل هندوستان — زین چمنها گفتش زیبا بود جنت نشان
آورند از هر چمن گلدسته در ارمغان — افگنندش بر سر و دوش شهنشاه جهان

تا نماید بوے آنها تر دماغ بادشاه
تا بیاید رنگ آنها خوشتر اندر نگاه

بسکه بر نادانی خود خود مراهت اعتراف — نیست هرگز قابل قدر از من این لاف و گزاف
گفته ام من از رو انصاف لیکن صاف صاف — بے تعصب بے تکلف بے تملق بے خلاف

گر قبول افتد ذبیح زهے شرف و شان
ور نیفتد نیست غم کاین از من است و از خدا است

محمد اسمعیل ذبیح چھپرا موسی ضلع فرخ آباد

# دربارِ دہلی

اگرچہ یہ نظم اور اخباروں میں بھی شائع ہو گئی ہے۔ لیکن طالب صاحب کی مرسلہ نقل کے خیال سے اور ناظرین مخزن کو اس سے مسرور کرنے کے واسطے ہم اسے ذیل میں درج کئے دیتے ہیں:۔

دہلی ہے آج بزمِ سلیماں بنی ہوئی — رشکِ نعیم۔ رشکِ چمستاں بنی ہوئی
بادِ صبا ہے۔ بادِ بہاراں بنی ہوئی — کہتی ہے خلق شوق سے شاداں بنی ہوئی
جب تک فلک پہ مہرِ منوّر کا چارج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

کہتے تھے لوگ پہلے جسے ہستناپوری — پہلے جو راج دھانی تھی اہلِ ہنود کی
کرتا تھا پرتھی راج جہاں پہلے خسروی — آج آتی ہے وہاں سے صدائے طرب یہی
جب تک فلک پہ مہرِ منوّر کا چارج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

اسلام کا رہا تھا جہاں پہلے تخت و تاج — کرتے تھے جس میں اکبر و اورنگ زیب راج
دیتے تھے لوگ شاہ جہاں کو جہاں خراج — آتی ہے کیوں وہاں سے ندائے نشاط آج
جب تک فلک پہ مہرِ منوّر کا چارج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

وکٹوریا دی گریٹ کا نبیرہ۔ جہاں پناہ — ایڈورڈ صلح کُن کا پسر شاہِ کج کلاہ
منظور ہے ہمیشہ جسے ہند کی رفاہ — کہتے ہیں صدقِ دل سے یہی اسکے خیر خواہ
جب تک فلک پہ مہرِ منوّر کا چارج ہو

فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

ہند میں شاد کام سب اس کے راج میں
مسلم ہیں اس کے ہم سب اسکے راج میں
آرام سے ہے خلق خدا اسکے راج میں
ہر قوم کی یہی ہے دعا اس کے راج میں

جب تک فلک پہ مہر منور کا چارج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

سرشار ہے شراب مسرت سے عام ہند
آمد سے شاہ کی ہے منور تمام ہند
دربار تاج پوشی سے ہے شاد کام ہند
حق سے دعا گذار ہے۔ صبح و شام ہند

جب تک فلک پہ مہر منور کا چارج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

گیارہ کے سن میں ماہ دسمبر کی بارہویں
ہندوستاں میں روز مبارک ہے بالیقیں
نوروز سے یہ روز دل افروز کم نہیں
آواز آرہی ہے۔ یہی آج ہر کہیں

جب تک فلک پہ مہر منور کا چارج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

رنج و الم سے دور ہے ہندوستان آج
وہ کون ہے جو دل سے نہیں شادمان آج
گنگا ہے۔ گاؤ سیوتری گنگا کے جل کی
ہر شخص ہے خدا سے یہ طالب ہر آن آج

جب تک فلک پہ مہر منور کا چارج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

(طالب بنارسی ایم بی)

# مبارکباد

## جشن جوبلی ہز امپیریل ہائنیس اعلیحضرت ملک معظم جارج پنجم قیصر خلد اللہ ملکہ

دیکھ نشو و نما سے خوبی فصل بہار
اک نوا سنجی بلبل نے کھلائے گل ہزار

خندۂ گل کی گلستاں میں ہوا بندھنی لگی
گریۂ شبنم کا دامن ہو رہا ہے تار تار

زینتیں بخشیں وہ فیض مبدء فیاض نے
لد گئی پھولوں کے زیور میں عروس نوبہار

مشکبو گیسوئے سنبل سے معطر ہے جہاں
بن گیا ہر صحن گلشن رو کش صد نافہ زار

اللہ اللہ کیا سماں ہے حسرت دیدار کا
ہر گل نرگس بنا ہے آج چشم انتظار

خاکساران جہاں کا بخت ہے کیا اوج پر
سرمۂ اہل نظر بنتا ہے اڑ اڑ کر غبار

کچھ گل خنداں نہیں آپے سے باہر شوق میں
بوئے گل بھی آجکل دوش صبا پر ہے سوار

دیکھنا فیض گہربار شبنم کا اثر
ہر خذف ریزہ چمن میں اب ہے دُر شاہوار

حلقہ ہائے گیسوئے سنبل کھلے ہیں باغ میں
عطر بیزی کر رہے ہیں نافۂ مشک تتار

شمع جلکر گلفشانی کر رہی ہے بزم میں
قوت نشو و نما کچھ اسقدر ہے آبیار

شاخ باتونیں نکلتی ہے شگوفے شاخ میں
آجکل گلزار میں جوش نمو کی ہے بہار

لالہ و گل کی ہے رنگینی چمن اندر چمن
رستی سرو و صنوبر کی قطار اندر قطار

قمریوں کی ہے زباں پر نعرۂ حق سرمدی
زمزمہ سنج ترنم باغ میں صوت ہزار

زینت گلزار عظمیٰ کی ہوا بندھنی لگی
تن گئے انگڑائیاں لے لیکے سرو جویبار

چھیڑتے ہیں عندلیبان چمن کو اس طرح
شاہدان گل سے ہر دم نوک کی لتھیں ہیں خار

اڑتی پھرتی ہیں ہوا سے بلبلوں کی ٹکڑیاں
ہلکی ہلکی پڑ رہی ہے صحن گلشن میں پھوار

گرم ساقی کی دکاں ہے آتش سیال ہے
خانۂ خمار کے دیوانے ہیں بادہ خوار

ہے سبو ہی ساقی پیمانہ کش ہے نوک خنجر
ہے شکستِ توبہ لغزش سے انکی آشکار

ظلمتِ شب کی نسبت ہے پہلے کس طرح
صاف بوتل اور اس پر دختر رز کا نکھار

آرہے ہیں گاگر یا یہ چل رہی ہیں گولیاں
کھیلتے ہیں بادہ کش شاید بطرے کا شکار

اب ہے واعظ کو بھی شوقِ بیعت دستِ سبو
صبح سے در پر کھڑا ہے صورتِ امیدوار

خطرۂ ساغر سے چھایا وہ مسرت کا سماں
شمع تک بھی بزمِ رنداں کی نہیں ہے اشکبار

کہتے ہیں یہ بادہ کش اے ساقی گلگوں قبا
جان و دل تجھ پر تصدق دین و ایماں سب نثار

آج پلوا دے ولایت کی خدا کیواسطے
آج تو ویسی کے پینے سے ہمیں ہے ننگ و عار

آج اس کی تاجپوشی کا ہے جشنِ تہنیت
جسکی شاہی سے ہوئے اورنگ و لنگر کامگار

للہ الحمد آج وہ رونق فزا دہلی میں ہے
فیض سے جسکے ہوا آباد یہ اجڑا دیار

وہ شہنشاہِ زمانہ جابرِ پنجم ذی حشم
کام بخش کامیاب کامران و کامگار

جلوہ فرما آج ہے فرماندہی کے تخت پر
بالنشاط و کامرانی با سرِ عز و وقار

اپنی قسمت پر نہ ہوں کس طرح نازاں اہلِ ہند
ہو گئی ہے صورتِ خوبی قسمت آشکار

پڑھ دے عرشی مدحِ حاضر میں کوئی مطلع نیا
دیکھ خاموشی کا یہ موقع نہیں ہے زینہار

## مطلع ثانی

اللہ اللہ اوج پر ہے کیا ترا حسنِ وقار
غازۂ رخسارِ فلک ہے آستانے کا غبار

شوکتِ شانِ شہنشاہی کا اللہ رے عروج
میرِ گردوں ہے ترے در بند کا اک چوبدار

ہمتِ عالی کی مضبوطی کی یہی ہے دلیل
ہے ترا ہر قول محکم تیرا وعدہ استوار

دیکھنے والوں کی نظریں کہتی ہیں جھک جھک کے یہ
ہے عجب شہنشاہی جس میں ہے ترا شکار

تیرے عہدِ عدل میں کوئی خلش گر ہے نہیں
جس طرف دیکھو چمن بندی ہے جا بجا خار

کشتِ اسلام و رعایا پھر نہ کیوں سرسبز ہو
ہر گھڑی ابرِ کرم رہتا ہے تیرا گریباں

غنچۂ مقصود عالم میں شگفتہ سر بسر
چل رہی ہے خلق کی تیرے نسیمِ خوشگوار

ہر نجیب و نامدار پہ ہے پرورش کی تو نظر
آہوؤں کی آنکھ میں جھلکے اب تہذیب و حیا

عہد میں تیرے ہیں کیا مخلوق کو آسانیاں
موٹریں کشتی ہوائی ۔ پوسٹ آفس ریل تار

عہد میں تیرے مٹا افلاس کا ایسا نشاں
عاشقوں پر اب نہیں معشوق بھی کھاتے ادھار

وعدہ میں تیرے ہیں وہ سامانِ جمعیت بہم
ہے نصیبوں میں پریشانی نہ دل میں انتشار

فتنے کہتے ہیں چھک کر اے شہِ عالم پناہ
آسماں اس فضل سے تیرے بنا ہر خاکسار

کیا ہوا اے صلح کل نے تیری جھاڑو پھیری
اب نہیں ہے نام کو دشمن کے بھی دل میں غبار

کاوشِ باہم مٹی تیرے نہیب عدل سے
نوک کی لیتے نہیں گولوں سے کانٹے دینہار

مملکت میں تیری صبح و شام ہر گز نہیں
تیرِ اقبال روشن ہے ترا اے لیل و نہار

چین سے سایہ میں تیرے خلق کرتی ہے بسر
اس لئے مشہور ہے تو سایۂ پروردگار

حکم ہے دل بستگی کا عہدِ دولت میں ترے
غیر ممکن ہے کوئی توڑے دلِ اُمیدوار

عدل میں نوشیرواں حاتم ہے بذلِ وجود میں
تو ہر اک صورت میں قوم و ملک کا ہے غمگسار

دور میں تیرے زمانہ کو ہوا ایسا عروج
نشۂ دولت کا اب ہوتا نہیں ہرگز خمار

صلح کل رعبِ سیاست ہے ترا کچھ اس قدر
ہیں ہم بازو کبوتر تک میانِ مرغزار

تیری آمد سے بنا ہندوستاں جنت نشاں
عشرتِ جاوید جانے کی نہیں اب زینہار

تو جو آیا خلق میں اک جانِ تازہ آگئی
ہو گئے پھر تجھ سے اعجازِ مسیحی آشکار

بزم میں عیشِ مخلد دست بستہ رات دن
حکم کی تابع اجل ہر دم میانِ کارزار

دستگیری سے ترے ہر سو ہے سلا جہاں
یوں مدد ہے خلق کا تو جس طرح قسمت ہے یار

تیرے چشمِ عدل کو چھپ کر بھی بچ سکتا نہیں
زخم کے بھی جرم پر پڑتی ہے اب نشتر کی مار

دو ترے دستِ کرم نے کیں جو اہلِ زیاں
ہو گئی محروم جس سے بارشِ ابرِ بہار

ہیں تیرے تیغ شرر افشاں کے جوہر آئینہ
ہوں وہیں فی الفور دشمن دیکھ لیں گر ایک بار

سب ہوا سے مرمی کے قطع کرتی ہے
کچھ گئی جب میان سے رکتی نہیں پھر وہ کہاں

کیا ترے اسپ جگر دو کی بیاں ہیں تیز یاں
دائرہ اک جس کا کاوے کا ہے چرخ کجمدار

برق وش طاؤس دم سمر مرغ و انجم
عود وش جس سے نسیم صبح بھی ہو شعر سا

جب چلا وہ باد پا سب دیکھتے ہی رہ گئے
نقش سم آنکھوں میں باقی رہ گیا گل غبار

تا کجا طول سخن اے عرشی معجز بیاں
بڑھ کے ہے سو خوبیوں سے ایک حسن اختصار

بانگ لے جلدی دعا وا ہو چکا باب قبول
ہاتھ اٹھا کر عرض کر یوں اے مرے پروردگار

روشنی بخش جہاں جبتک رہیں شمس و قمر
اور ہو جب تک کہ یہ نیرنگی لیل و نہار

سلسلہ بندی رہے جبتک میان حسن و عشق
عندلیبان چمن جبتک گلوں پر ہوں نثار

بے ستوں جبتک کہ قائم گنبد خضرا رہے
اپنی گردش میں رہے مصروف جبتک روزگار

یہ ترا تاج شہنشاہی ترے سر پر رہے
تخت ہو تخت سلیماں تو سلیماں اقتدار

ہو چہار چار پر گڑے جھنڈا ترے اقبال کا
عیسیٰ مریم رہیں ہر دم ترے حامی کار

خلق تیرے واسطے ہر دم دعا مانگا کرے
خلق کی حاجت براری ہو ترا ہر دم شعار

دل بہی خواہوں کے ہر دم ہوں شگفتہ مثل گل
قلب حاسد میں رہے ہر دم خلش گر نوک خار

خوب کی تو نے خداوند مجازی کی ثنا
واہ کیا کہنا ترا اے عرشی مدحت نگار

حافظ محمد عبدالعزیز خاں عرشی (پانی پتی)
وکیل ممالک محروسہ سرکار نظام

# جشن تاجپوشی ملک معظم قیصر ہند دام اقبالہ

ساقیا دے جام مے مغرب سے اٹھی ہے گھٹا — جھومتی آتی ہے مستوں کی طرح ابر صبا
آسماں کی سمت ہے پنجوں کی چشم نیم وا — ساغر خالی لئے ہیں ہاتھ میں گل برگ
گرد آلودہ نگاہوں کی کثافت دور ہو
ایک چھینٹا جلد پڑ جائے کہ کلفت دور ہو

سوئے گلشن دیکھ جلدی کیا سماں ہے کیا بہار — زر یہ کیوں غنچے لئے ہیں ہاتھ میں بہر نثار
رقص میں طاؤس بھی مشغول ہیں مستانہ وار — بلبلیں شاداں و فرحاں کرتی ہیں نغمے ہزار
اس طرف بن کے قدم آئینگے جن پر ناز ہے
سبزہ خوابیدہ گویا فرش پا انداز ہے

جشن جمشیدی کا پہلا آج یہ سامان ہے — بھولنا اس کو نہ ساقی تجھ سے جو پیمان ہے
انتظار اب شاق مشتاقوں کو ہر آن ہے — دیر کیوں کرتا ہے ظالم کس طرف کو دھیان ہے
دل کو مستی آئی گھٹائیں کے تڑپنے لگیں
وہ جا آئی آئی وہ انگڑائیاں آنے لگیں

دیکھ تو ہے کون کون اس تیری محفل میں آج — ہے کوئی زریں کلاہ اور ہے کسی کے سر پہ تاج
ہو گیا پرہیزگاروں میں بھی اس کا ذکر آج — یہ وہ موقع ہے کہ جس میں ایک پہنچے اور ہیں
ایسے جلسے کب ہیں جمگھٹ وہ خوارے کیلئے
بزم آرائی ہے یہ دربار دہلی کے لئے

شہر دہلی ہند کی ہے قدیمی تخت گاہ — ہر نظر میں آج تک باقی ہے اس کا عز و جاہ
اس سے پہلے بھی یہاں گذرے ہیں کیسے کیسے شاہ — شاہ انگلستان نے بھی کی اس پہ الفت کی نگاہ

جمع ہے شادی رعایا جانفروشی کیلئے
آئے ہیں اندر سے قیصر تاجپوشی کیلئے

تجھ کو دائے دہلی مبارک عیش و عشرت کا سماں
اختر اقبال تیرا اوج پر ہے بیگماں
نیک دن آئے ہیں تیرے دل سے ہو جا شادماں
بخت جاگ اٹھا ترا سوئے نصیب دشمناں

پھر تجھے عالم کہیگا انتخابِ روزگار
یادگارِ دہر میں پہلے ترا ہوگا شمار

مرحبا اے شانِ دہلی آفریں صد آفریں
دھوم ہے گھر گھر تری چرچا ہے تیرا ہر کہیں
قابلِ توصیف ہے ہر بات میں تو بالیقیں
صفحۂ ہستی سے تیرا نام مٹنے کا نہیں

صورتِ لندن ہے ہندوستان میں تیرا وجود
آج تیرے تخت پر قیصر کا ہے پہلا ورود

کون قیصر فی الحقیقت جو ہے سب شاہوں کا شاہ
کون قیصر دور ہے ماہی سے جس کا تا بماہ
کون قیصر عہد میں جسکے نہیں فریاد و آہ
کون قیصر جو ہے گردوں بارگاہ عرش جاہ

چھا گیا انصاف کا جس کے اثر آفاق پر
عدلِ کسریٰ رکھدیا جس نے اٹھا کر طاق پر

کس قدر حاصل ہیں سب کو مذہبی آزادیاں
سچے ہندو آپ سب قوموں کی ہیں آقا و قرباں
ہوں مسلماں یا کہ ہندو پیر ہوں یا نوجواں
بنکہ کی ہے اس طرف آواز اے جمہور سوالیں

کیوں نہ دعا گو ہو زعالم اپنے تخت و تاج کا
آپ بھی حاصل ہے مزا ہر ایک کو اپنے راج کا

مرحبا اے دولتِ برطانیہ صد مرحبا
تیرے عدل کو داد کا ہر ایک ہے مدحت سرا
ہے ہمیں ہر سب کی آزادی تری انصاف کا
شیر بکری پیتے ہیں اک گھاٹ پانی بار بار

یا الٰہی شرق سے تا غرب گلشن باغ ہو

تاجدارانِ زمانہ کے لئے سرتاج ہو

سینکڑوں آرام بخشے ہیں ہمیں اس راج نے
ہر جگہ کثرت سے ہیں ہر علم و فن کے مدرسے
ملک کو کیا فائدے پہنچا رہی ہیں ریلوے
ڈاکخانہ۔ تار گھر سب ہیں ہمارے واسطے

وصف کیا کیا کیجئے اس امپیر کے راج کا
دل سے ہے ممنون سارا دہر انگلش تاج کا

شاہ کے آنے سے بڑھ جائیگی وقعت ہند کی
دیکھئے گا پھر وہی پہلی سی شوکت ہند کی
فی الحقیقت اب سنور جائیگی حالت ہند کی
دور ہو جائیگی دم میں سب مصیبت ہند کی

قحط بھی طاعون بھی دنیا سے سب اٹھ جائیگے
ہندیوں کیواسطے اب چین کے دن آئینگے

نیک طینت جارج پنجم ہے اپنا امپیر
بخشش و انصاف میں ہے فرد یکتا امپیر
مخزنِ خلق و مروت ہے سراپا امپیر
خدا وہ ملک ملجائے جو ایسا امپیر

یا خدا ٹوٹے نہ ہرگز اس حکومت کا قیام
دولتِ انگلینڈ کا سایہ رہے ہم پر مدام

عالمِ ہستی میں جب تک ہے قیامِ آفتاب
سیپ میں موتی ہے جبتک اور موتی میں ہے آب
دولتِ انگلینڈ سے ہوتے رہیں ہم فیضیاب
یا خدا اس عہد کو آنے نہ دے انقلاب

قیصرِ ہندوستاں کا ہو فزوں جاہ و جلال
ہر گھڑی راحت سے گذرے چین سے ہر ماہ و سال

باغِ عالم میں ہیں جبتک بلبلوں کے چہچہے
صورتِ گلزار اپنا امپیر پھولے پھلے
خوش رہیں احباب ہوں پامال دشمن کے
بہرہ ور ہو ایک عالم امپیر کے فیض سے

آپ کا لطف و کرم سرکار پر ہو بیشمار
دامنِ مقصود گوہر سے بھرے لیل و نہار

# تازہ غزلیں

(از جناب شیخ صفوت اللہ صاحب جسٹرار تانوگو ضلع تحصیل ایٹہ)

نظر آتا نہیں اک تار بھی جیبِ گریباں میں
خدا رکھے ترقی ہے مرے وحشت کے ساماں میں

یہ کیا تاثیر تھی یارب نگاہِ ناز جاناں میں
تڑپ میرے جگر میں ہے۔ کھٹک دل میں کسک جاں میں

سراپا آرزو میں بن گیا ہوں شوقِ جاناں میں
نہاں ہیں ستر میں سو سر ہے ایک ایک ارماں میں

کوئی دیتا ہے حکمِ قتل کوئی کفر کا فتویٰ
خدا جانے میں کیا کہتا ہوں جوشِ عشق جاناں میں

ادھر ہے جوشِ وحشت اور اُدھر ہیں ادب انکا
گریباں ہاتھ میں ہے اور سر اپنا گریباں میں

زباں ہو تو۔ تم کو اک زمانہ کیا نہیں کہتا
مگر کچھ اور ہو میرے عقیدے میرے ایماں میں

جگر اور دل کے بدلے درد دل ہم مول لائے ہیں
یہی تھی ایک جنسِ بے بہا الفت کی بازاں میں

انہیں کے ہاتھ ہے اب شرم اس محفوظ عاصی کی
پڑا ہے انکے قدموں میں چھپا ہے انکے داماں میں

---

(از جناب محمد مشیت اللہ سہیل۔ کاسگنجوی)

وہ اغیار سے ہاتھ ملوا رہے ہیں
نئی قسم کی ہم سزا پا رہے ہیں

تبسم وہ گلشن میں فرما رہے ہیں
نئے رنگ کے پھول برسا رہے ہیں

وہ ناداں ہیں انکو سمجھائیں جا کر
مجھے کیوں یہ نافہم سمجھا رہے ہیں

نہ کرتے محبت نہ دیکھ سہتے
ہم اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں

کہا میں نے غیروں سے رازِ محبت
یہ کیا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

چھپیں طور پر ہم کو اسکی ضرورت
ہمیں سامنے جلوہ نظر آ رہے ہیں

میرے پاس آنے کی اُمید کیا ہے
وہ ہمراہ غیروں کے جب جا رہے ہیں

دمِ نزع آئیں غلط ہے یہ قاصد
تو دم لے رہے ہیں وہ بہلا رہے ہیں

نتیجہ محبت کا نکلا یہ بسمل
کہ ہم ہجر میں جان سے جا رہے ہیں

---

(از جناب مسٹر محمد عبداللہ صاحب محسن لاہوری)

یہ تھا دل میں کہ حسن و عشق کچھ دلبر کو سمجھاتے
مگر حیراں ہوں کیا اُس شوخ افسوں گر کو سمجھاتے

ہجومِ اضطرابِ غم سے کچھ فرصت اگر ملتی
تو برقِ خندۂ نازِ پری پیکر کو سمجھاتے

کبھی اربابِ ذوق و شوق نزہت گاہِ عالم میں
زبانِ حال سے کچھ مرغِ نامہ بر کو سمجھاتے

متاعِ ہوش سوزِ آتشِ حسرت جلا دیتا
جو کچھ وہ شعلہ خو مجھ سوختہ جگر کو سمجھاتے

نکل جاتی بتِ بنگالہ کی ساری فسوں سازی
ہم ایسا کوئی جادو چشم جادوگر کو سمجھاتے

عزیز اپنے گدا سے کیوں رکھا گنجینۂ رحمت
کوئی صاحب مری شاہا یوں فقر کو سمجھاتے

چراغِ اہلِ دل ہوتا ہے روشن نورِ ایماں سے
یہ نکتہ عارضِ گیسوئے سیمیں بر کو سمجھاتے

تلاشِ آبِ حیواں میں بھلا ناکام کیوں رہتا
جو تم اے خضرِ راہ شوقِ اسکندر کو سمجھاتے

نظر آتی ہیں کوئی بھی گر آرام کی صورت
مصیبت دشتِ ہجراں کی دلِ مضطر کو سمجھاتے

گلا ہے تشنہ کاموں کا گلو تیرے شوق میں اب تک
تم اے قاتل فدا آبِ دمِ خنجر کو سمجھاتے

شکستِ شیشۂ دل کی صدا سنکر وہ بول اٹھے
نگاہِ ناز کچھ تو عاشقِ شیشہ گر کو سمجھاتے

علاجِ درد دل اپنا ہمیں مطلوب اگر ہوتا
تو سوزِ منت خوشامد کیسے چارہ گر کو سمجھاتے

جو دنیا میں جہاں سے ہم کو اُمیدِ عافیت ہوتی
تو کچھ تو ہم بھی آخر داورِ محشر کو سمجھاتے

یہ تھی محسن یہ الفت کا فسوں کرتے ہیں اہلِ حسن
کہ حسنِ ناز کیا کیا کے احمر کو سمجھاتے

# مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی - مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت - ۱۲/

اقبال دلہن - مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خان صاحب قسم اول ۷ قسم دوم ۸/

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم - اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن ۴/

ابو مسلم خراسانی - ہلال الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے
مولوی محمد حلیم صاحب مدرس مولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمائش پر عربی
سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے . . . . . ۴/

کلام نیرنگ - یہ سید غلام بھیک بی - اے - ایل - ایل - بی وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ہے ۶/

انتخاب مخزن - مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب قیمت . . . . . ۸/

درد جانستاں - مصنفہ حکیم سید نذیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا قصہ ۸/

دربار نمبر - مہاراجہ جیپور کی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نکالا گیا تھا ۶/

مثنویات میر حسن - مثنوی نیلمبر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کی گئی ہے

سیرت - انگریزی کتاب فریدرس ان تہت کا ماحاصل ترجمہ اور تہت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب غریب رقم
لاہور نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں - کاتبوں اور شائقین خط کے
واسطے تیار کیا - جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں
علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اس کے اہتمام میں مدنظر رکھا
ہے دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اسوقت تک ملک میں موجود نہیں ۵/

خریداران نام منیجر مخزن لاہور کو لکھنا چاہئیں

# شائقین کتب ملاحظہ فرمائیں

(سب مشکل کتابوں کا حل)

مندرجہ ذیل کتابیں کوئی حل نہ کر سکا اور نہ کوئی انشاء اللہ حل کر سکتا ہے۔
یعنی پتھروں کو پانی کر کے بہا دیا۔ دیکھنا شرط ہے۔

حل قصائد خاقانی۔ مدعا کو بنے منشی فاضل وایم۔ اے حصہ اول ..... ۱۲ آنہ
حصہ دوم زیر طبع ہے

یہ تحفہ اس لئے کہ ہم کو چوروں سے پناہ نہیں۔ جو گھات میں لگے رہتے ہیں اگر
کوئی مرد میدان ہے تو دوسرا حصہ حل کرے۔ مشکل قصائد میں نے حل کر دئے۔ آسان باقی ہیں

حل کلیات اردو۔ مرزا غالب مرحوم ..... ۱۰ آنہ

حل قصائد خاقانی۔ کوبن منشی عالم ..... ۹ آنہ

حل نکات۔ مولانا مرزا عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ در تصوف ۱۲ آنہ

شوکت التجدید۔ یہ کلیات جو قصائد و غزلیات و رباعیات و سلام اردو
اور بھاشا وغیرہ کی نظم سے مرقع ہے اشاعری کی دنیا جس کی منتظر ہے
پیشگی قیمت آ رہی ہے دیر لیسی ہے۔ پیشگی ۴ اور بعد طبع ..... ۶ روپیہ

اعلان عام جو صاحب کامل شاعر بننا چاہیں۔ میری جانب رجوع لائیں
جیسا کلام ہوگا۔ اسی درجے کی اصلاح ہوگی۔ کلام بھیج کر آزمالیں
جو صاحب کسی کتاب اردو بھاشا فارسی اور عربی میں اصلاح لینا چاہیں فیس کے بارہ
میں مراسلت کریں۔ اکثر کتابوں کا ٹریکٹ بلا اس تک صحیح نہیں ہوتا غلطیوں کو مجدد ہی جانتا ہے

**مجدد السنہ مشرقیہ احمد حسن شوکت شہر ملیح آباد**

# اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

# اور

# مظلومانِ طرابلس فنڈ کی امداد

ہم نے عہد کر لیا ہے کہ آیندہ اٹلی کا مال ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آرڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کر دیا ہے۔ نیز ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ٹرکی ٹوپیوں (محسن الملک پیٹنٹ و وقار الملک پیٹنٹ ساختہ کرسٹی لندن) کی جس قدر بکری یکم نومبر سے تا اختتام جنگ ہوگی۔ اُس میں سے فی ٹوپی ۴ مصیبت زدگان طرابلس فنڈ کے لئے نذر کرینگے۔

محسن الملک پیٹنٹ۔ استر تمام ریشمی چمڑے کا (ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہے۔ قیمت مع پھندنا ہتھنول اعلیٰ قسم ۱۱ ۸

وقار الملک پیٹنٹ۔ بشرح صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کیلئے چمڑے کی پٹی قیمت مع پھندنا ہتھنول اعلیٰ قسم ۱۰ ۸

تازہ مال آگیا ہے اس میں بہت رنگسار و سائز موجود ہیں۔ فرمائش کے ساتھ ناپ۔ رنگ وغیرہ کی تشریح فرماویں۔

سردیوں کیلئے تازہ مال۔ سوئٹر۔ بنیائن۔ کیپ۔ موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست دکان مفت)

عبداللہ تبلیغ ہیٹ مینوفیکچرنگ کمپنی انارکلی لاہور

# چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے مصفّی خون ہے

جس کی تصدیق سینکڑوں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

**فائدہ ۱** جس کی تصدیق ایک سو دس مریضوں کے آپ استعمال کرنے کی ہے اور سرخ رنگ [illegible]

**فائدہ ۲** جس کی تصدیق پینتالیس مختلف مریضوں اور [illegible] نے کی ہے [illegible]

**فائدہ ۳** جس کی تصدیق [illegible] اور سوزش از کار کرتے ہیں [illegible]

**فائدہ ۴** جس کی تصدیق تینتالیس [illegible] کا چہرہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور [illegible]

**فائدہ ۵** جس کی تصدیق [illegible] میں [illegible]

**فائدہ ۶** جس کی تصدیق [illegible] سے [illegible]

**فائدہ ۷** جس کی تصدیق [illegible] ہے [illegible]

**فائدہ ۸** جس کی تصدیق [illegible] ہے [illegible]

**الغرض** چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے مصفّی خون ہے [illegible]

**ثبوت کے لئے** اس [illegible] استعمال سے پہلے اپنے بدن کو تول کر وزن [illegible]

**قیمت** [illegible]

**علاوہ ازیں** [illegible]

**حکیم** [illegible]

# طب یونانی کی بقا کے لئے

[illegible]

[illegible] ہندوستان میں [illegible] شہرت کے [illegible] ہے۔ اطراف ہند میں اس کا [illegible] ہے کہ [illegible] انہی کی طرف [illegible] ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت اگر [illegible] انہی کی ذات سے ہیں اور انہی کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ جناب [illegible] دل میں [illegible] شریف کی ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنی قیمتی اوقات [illegible] اہتمام بالشان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی [illegible] زمانہ انکے احسانات [illegible] ہوتے اور انکی مستقل اور خاموش کوششوں کا اثر ہے گو اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی [illegible] لیکن حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا [illegible] ہے شخصی اغراض سے اسکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جس غرض سے قائم [illegible] ہے اسکے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصلی اور پورے اجزا سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور ان کے طرز تیاری میں تہذیب و ترقی دواخانہ کا مقصد ہے جسے پورا کرتا [illegible] بہت سی اہم قسم کی دوائیں جو مختلف امراض کے لئے عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ بلکہ حکما کے وہ [illegible] نسخے جو صرف رؤسا اور امرا کو میسر آتے تھے۔ اب اصل اصل اس دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں [illegible]

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طب کے زنانہ شفاخانہ کو [illegible] خلف الملک بہادر نے اپنی اور اپنے زندہ جاوید [illegible] کی [illegible] اس کی [illegible] میں صحت و تندرستی ایک [illegible] ہے اور ایک انسانی جسم [illegible] معجزہ کا [illegible] [illegible]